اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | صفر/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ | ستمبر/اکتوبر ۲۰۲۲ء | شمارہ ۹-۱۰

المعرق والرحیق للمحرق والغریق

اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں (دوسری اور آخری قسط)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے | زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

المعرق والرحیق للمحرق والغریق

(اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں) (دوسری آخری قسط)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا یہ وعظ ۱۳ رجب ۴۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا، جو حضرت والا نے بیٹھ کر تین گھنٹے پینتالیس منٹ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔ مخاطبین زیادہ تر سالکین تھے۔ جس میں ذکر کی اہمیت اور افادیت کو بیان کیا۔ اور ان اعمال کے صلے میں ملنے والی جنتی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا اس راہ میں قدم رکھنے والوں کو جو مشقتیں پیش آتی ہیں ان کے ازالے کی تدابیر بھی بیان کی گئیں وعظ ذرا دقیق ہے لیکن انتہائی مفید مضامین پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (چشتی نقشبندی اور حنفی اختلاف کی حقیقت) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (مشائخ اور طالبین) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۲۶ شوال ۱۴۴۳ھ۔ ۲۸ مئی ۲۰۲۲ء

وعظ المعرق والرحیق للمحرق والغریق

(اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں) (دوسری اور آخری قسط)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	مشائخ اور طالبین.....	۷
۲.....	شغل انحد کی حقیقت.....	۸
۳.....	ادب کا تقاضا.....	۹
۴.....	آداب شیخ.....	۱۱
۵.....	شیخ پر اعتماد.....	۱۲
۶.....	تحقیق مسائل میں شیخ کا ادب.....	۱۳
۷.....	مسائل اجتہادیہ میں حضرت تھانویؒ کی احتیاط.....	۱۴
۸.....	رنگِ ولایت.....	۱۵
۹.....	علماء کے مختلف رنگ.....	۱۶
۱۰.....	علمی لطائف.....	۱۷
۱۱.....	ترجمہ آیت.....	۱۸
۱۲.....	رحمت کی دو قسمیں.....	۱۸
۱۳.....	غیر اختیاری عشق مجازی.....	۱۹
۱۴.....	شیخ سعدی اور عشق مجازی.....	۲۰
۱۵.....	امرد پرستی کی برائی.....	۲۱
۱۶.....	حقیقی عشق مجازی.....	۲۲
۱۷.....	نسبت شوقیہ.....	۲۳
۱۸.....	کیفیات سالک.....	۲۴
۱۹.....	حضرت جنید کا حال.....	۲۵
۲۰.....	عاشقان الٰہی کا حال.....	۲۵
۲۱.....	شہداءِ امت.....	۲۶

۲۲..... طاعون اور ہیضہ وغیرہ میں مرنے والوں کو شہید قرار دینے کی وجہ..... ۲۷

۲۳..... کیفیات باطنیہ کا حال..... ۲۸

۲۴..... راہ سلوک کی حقیقت..... ۲۹

۲۵..... مواخذہ کا مدار..... ۳۰

۲۶..... انسان کا خاصہ..... ۳۱

۲۷..... باطنی گھاٹیاں..... ۳۲

۲۸..... صبر کے معنی..... ۳۴

۲۹..... اہمیت اوراد وطاعات..... ۳۴

۳۰..... اوراد کا فائدہ..... ۳۵

۳۱..... وظائف واوراد..... ۳۵

۳۲..... سنن ومستحبات کی اہمیت..... ۳۶

۳۳..... بشارت فتح..... ۳۷

۳۴..... جنت کی نعمتیں..... ۳۸

۳۵..... تفسیر آیت..... ۴۰

۳۶..... ایک آریہ کا بیہودہ اعتراض..... ۴۱

۳۷..... جنت ودوزخ..... ۴۲

۳۸..... ہر چیز ذی حیات ہے..... ۴۳

۳۹..... اصحاب الاخدود کا قصہ..... ۴۳

۴۰..... جمادات اللہ کے سامنے ذی حیات ہیں..... ۴۵

۴۱..... شراب آخرت..... ۴۶

۴۲..... سالکین کی تسلی..... ۴۷

۴۳..... اخبار الجامعہ..... ۴۹

نوٹ: گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (چشتی نقشبندی اور حنفی وشافعی کے اختلاف کی حقیقت) تھا

مشائخ اور طالبین

مشائخ کو محقق اور مجتہد ہونا چاہئے پس لوگوں کو مقلد بن کر رہنا چاہئے ان کو اپنی تجویز کا دخل نہ دینا چاہئے پس لوگوں کو تجویز کا خبط ہوتا ہے، چنانچہ ایک صاحب مجھے خط میں لکھتے ہیں کہ ہم کو شغل انحد (۱) کی اجازت دے دی جائے میں نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ کو اتنی بات حاصل ہے کہ خود اپنے لیے معمول تجویز کرلیں تو پھر کسی سے رجوع کی آپ کو کیا حاجت ہے، طب میں بڑا کام تو تشخیص ہی ہے اور تشخیص کے بعد علاج کرلینا کیا مشکل ہے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس شخص میں فلاں خلط کا غلبہ ہے (۲) اور وہ سبب مرض ہے جس کے لیے مبردات ومفرحات (۳) کا استعمال مفید ہوگا تو اس کے بعد تو جس کا دل چاہے علاج کرے کیا یہ بھی کوئی طریقہ ہے علاج کا کہ تشخیص تو خود کرلیں اور علاج دوسرے سے کرائیں اس طریق میں تو یہ ہونا چاہئے کہ بس حال بیان کرکے مردہ بدست زندہ (۴) ہوجاؤ اپنی تجویز اور تشخیص کو دخل مت دو، مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی، پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ در طریق خضر رو (۵)

بعض نسخوں میں غلطی سے پیرہن لکھ دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب خلعت خلافت مل جاوے تب پیر کا کہنا ماننا چاہئے، اس سے پہلے نہ مانے یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہ دولفظ الگ الگ ہیں۔

چوں گزیدی پیرہن تسلیم شو

کہ جب کسی کو پیر بنالو تو اب اپنے کو بالکل سپرد کردو، انحد وغیرہ یا کوئی شغل خود تجویز نہ کرو۔

---

(۱) شغل کا حاصل یہ ہے قلب کا انتشار ختم ہوکر جمعیت خاطر پیدا ہو اور اللہ کی طرف توجہ مکمل ہوجائے شغل انحد کی حقیقت یہ ہے کہ سر سے قدم تک اپنے وجود کے پر بن مو سے پوری ہمت کے ساتھ متوجہ ہو یعنی یہ سمجھے کہ نفس کے آنے جانے میں ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہے (۲) اخلاط اربع میں سے ایک کی زیادتی (۳) ٹھنڈی اور مفرح قلب چیزوں کا استعمال مفید ہوگا (۴) ایسی کیفیت ہونی چاہئے جیسے مردہ آدمی زندہ کے باتوں میں ہوتا ہے کہ وہ جیسے چاہے اس میں تصرف کرے (۵) ''جب مرشد کو پکڑ لیا اس کے سامنے رائے زنی مت کرو، اس کے حکم پر عمل کرو مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کی بات پر عمل کرو''۔

شغل انحد کی حقیقت

اس مقام پر افادہ جدیدہ کی غرض سے لفظ انحد کی تحقیق بھی بیان کر دینا مناسب ہے بہت لوگوں کا اور پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ لفظ دو حرفوں سے مرکب ہے، ان حرف نفی سے جو ہندی لفظ ہے اور حد لفظ عربی سے جس کے معنی ترکیبی غیر محدود ہیں اور یہ خیال تھا کہ چونکہ اس شغل میں جو صورت مسموع(۱) ہوجاتی ہے وہ غیر محدود ہے اس لیے اس کو انحد کہا جاتا ہے بعضے اس کو غیبی صوت(۲) سمجھتے ہیں اور ملکوتی صوت(۳) کہتے ہیں ممکن ہے کہ کسی کے لیے صوت ملکوتی بھی منکشف ہوتی ہو مگر صوت حق(۴) تو ہرگز نہیں ہے بعض جہلا نے اس کو صوت حق سمجھا ہے یہ غلط ہے چنانچہ اس خیال کے لوگوں نے شیخ سعدیؒ کے ایک شعر کی تفسیر اسی صوت سے کی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش بفریاد قالوا بلیٰ درخروش(۵)

یہ تفسیر بالکل صحیح نہیں ہے اور اس کو صوت حق سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ کلام الٰہی صوت وحروف سے منزہ ہے(۶) شیخ فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے عارف اور محقق ہیں فرماتے ہیں۔

''قول او رالحن نے آواز نے'' اور یہی علماء اہلِ سنت کا قول ہے کہ کلام الٰہی کے لیے صوت(۷) نہیں ہوئی اور شغل انحد میں صوت ہوتی ہے پس یہ صوت حق نہیں ہوسکتی، حقیقت یہ ہے دراصل یہ صوت ناسوتی ہے جو تموج(۸) ہوا سے پیدا ہوتی ہے کان بند کرنے سے اندر ہوا محبوس(۹) ہوجاتی ہے اس سے آواز پیدا ہوجاتی ہے بعض لوگوں نے اس کو صوت حوض کوثر کہا ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں اوّل

(۱) جو آواز سنائی دیتی ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں (۲) غیبی آواز (۳) بلکہ فرشتہ کی آواز (۴) اللہ کی آواز (۵) ''الست کی آواز عاشقوں کے کانوں میں ہے اور ان کا قالو بلیٰ کہنا بھی یاد ہے یعنی ان کے کانوں میں یہ آوازیں اب تک محسوس ہورہی ہیں'' (۶) اللہ کے کلام میں حرف وصوت نہیں (۷) آواز (۸) ہوا کے ارتعاش سے پیدا ہوتی ہے (۹) ہوا رک جاتی ہے۔

تو اس حدیث کا حال معلوم نہیں (قال الجامع اثناء الواعظ قد صححه العزیزی فی شرح الجامع الصغیر ۱۲ منہ) اور اگر حدیث ثابت بھی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ عزیزی نے اس کی تصحیح کی ہے تو وہ تشبیہ پر محمول ہے کہ حوض کوثر کی آواز اس صوت کے مشابہ ہے(۱) یہ مطلب نہیں کہ بعینہ یہی صوت حوض ہے(۲) تو یہ حقیقت صوت میں کلام تھا، لفظ کے متعلق یہ ہے کہ یہ لفظ اصل میں انادی ہے جو ہندی لفظ ہے بمعنی قدیم اصل میں یہ شغل جوگیوں سے لیا گیا، چونکہ یکسوئی پیدا کرنے میں بہت نافع ہے اس لیے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا تھا اور جوگیوں کا عقیدہ یہی تھا کہ یہ صوت(۳) قدیم ہے اسی لیے وہ اس کو انادی کہتے ہیں مگر وہ لوگ مشرک ہیں ان کی بات قابل قبول نہیں اور غالباً مشائخ نے اسی واسطے اس کو انادی سے انحد کر دیا تا کہ عقیدہ جوگیہ کا ابطال(۴) ہو جائے اور انحد کہنا غلط نہیں کیونکہ غیر محدود کی دو قسمیں ہیں، ازلی اور ابدی سو مشائخ کی مراد انحد بمعنی ابدی ہے کہ جانب مستقبل میں یہ غیر محدود ہے چنانچہ اگر عمر بھر کان بند رکھے جائیں تو یہ صوت ختم نہیں ہوتی پس یہ غیر محدود بمعنی لا تقف عند حد(۵) ہے اور ابدیت حدوث کے منافی نہیں بلکہ اس کے مناسب صرف ازبہ ہے اور وہ ان کی مراد نہیں خوب سمجھ لو چونکہ یہ کام کی تحقیق تھی اس لیے میں نے اس پر متنبہ کر دیا ممکن ہے بعض لوگ اس غلطی میں پڑے ہوں بہرحال طالب کو خود کوئی شغل تجویز نہ کرنا چاہئے بلکہ ہر طرح اپنے کو شیخ کے سپرد کر دے اور اس کی تجویز میں چوں چراں(۶) نہ کرے کیونکہ اس طریق کا زیادہ مدار اعتماد پر ہے۔

ادب کا تقاضا

بلکہ میں ایک اور بات پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ طالب کو شیخ کے ساتھ علمی مباحث میں بھی گفتگو نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں ردوقدح(۷) انکار و اقرار کی صورت ہوتی ہے جو شان طلب کے منافی ہے، ہاں طالب علم کو استاد سے خوب چوں چراں کرنا چاہئے کیونکہ استاد اشکالات علمیہ کے حل کرنے کو پہلے سے آمادہ ہو کر بیٹھتا ہے

(۱) حوض کوثر کی آواز اس آواز کے مشابہ ہے (۲) یہی خوض کی آواز ہے (۳) آواز (۴) رد ہو جائے (۵) اس کی کوئی حد نہیں (۶) حیل وحجت (۷) بحث مباحثہ۔

اور شیخ اس کام کے لیے تیار ہوکر نہیں بیٹھتا وہ دوسرے کام کے لیے ہے جہاں عمل کی ضرورت ہے باتوں کی ضرورت نہیں پس شیخ کے ساتھ کان (۱) ہوکر رہنا چاہئے اور استاد کے ساتھ زبان (۲) ہوکر۔ ہمارے مولانا فرماتے تھے کہ

''ہر طالب کہ چوں وچرا نکند وہر درویشے کہ چوں وچرا کند ہر دو را بچر اگاہ باید فرستاد''(۳)

پس شیخ سے استاد کا کام نہ لو اور سنار سے لوہار کا کام نہ لو اس کے سامنے لوہا مت لاؤ بلکہ سونا چاندی لاؤ تاکہ وہ خوبصورت جھومکے اور کرن پھول اور جھومر تیار (۴) کر کے تمہارے کان اور سر پر لگادے، پس یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی کے پاس طالب بن کر نہ جائیں اور اس کو شیخ بنائیں پھر اس سے کام لیں، دوسرے، صاحبو! ماں سے ماما(۵) کا کام نہ لو، گو اس میں ایک میم اور ایک الف زیادہ ہوگئے مگر عزت تو گھٹ گئی کیونکہ ماں کو ماما بنانا ذلت تجویز کرنا ہے۔ لہٰذا شیخ سے علمی مباحث میں گفتگو نہ کرنا چاہئے مگر آج کل طالبین اس کا خیال نہیں رکھتے، ہاں گاہے گاہے ادب کے ساتھ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں یا عرصہ تک پاس رہنے سے دونوں کی طبیعت کھل گئی تب بھی حرج نہیں کیونکہ انشراح (۶) کے بعد پھر ایک ناز کی سی حالت ہوجاتی ہے اور مقام ناز کے احکام جدا ہیں، اس وقت جتنا چاہے بولو اور جو چاہے پوچھو کچھ مضائقہ نہیں اسی کو کہتے ہیں۔

اے خانہ نیاز نہ چلنے سے تو مچل　　　یعنی مقام ناز ہے جس چال چاہے چل

مگر ایسے لوگوں کو شیخ کے ساتھ مباحث علمیہ میں گفتگو کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں ورنہ وہی مثال ہوگی جیسے ایک شخص تھا جس کی بیوی اس کی کچھ زیادہ خاطر ومدارات نہ کرتی تھی ایک دفعہ اس نے ایک ولایتی کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا تھا، گھوڑا شوخی میں اِدھر اُدھر منہ مارتا تھا اور ولایتی اس کو چمکار کر کہہ رہا تھا کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ بے وقوف سمجھا کہ شاید کھاؤ گھوڑے کی اس ہیئت کو بھی خاطر ومدارات

(۱) یعنی اس کی باتوں کو غور سے سنے (۲) اپنے اشکالات زبان سے بیان کر کے حل کرے (۳) ''ہر طالب علم جو چوں وچرا وبحث مباحثہ نہ کرے اور ہر درویش جو چوں وچرا کرے تو طالب علم کو مدرسہ سے اور درویش کو خانقاہ سے نکال دینا چاہئے'' (۴) اچھے زیور بنائے (۵) نوکرانی (۶) دل کھل جانے کے بعد۔

میں کچھ دخل ہے دل میں سوچا کہ آج سے ہم بھی اسی طرح کھایا کریں گے، گھر پہنچ کر بیوی سے کہا کہ آج ہم گھوڑے بنیں گے، ہماری اگاڑی پچھاڑی(۱) باندھو اور ایک توبڑے(۲) میں کھانا بھر کر ہمارے منہ پر چڑھاؤ، ہم اِدھر اُدھر منہ ماریں گے تو تم کہنا کھاؤ بیٹا کھاؤ، اس غریب نے تمام احکام کی تعمیل کی یہ گھوڑے کی طرح بحالت رکوع کھڑے ہوئے اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھی گئی منہ پر توبڑا چڑھایا گیا اگاڑی پچھاڑی باندھی گئی اور اب اس نے ولایتی کے گھوڑے کی طرح شوخی کرنا شروع کی اور بیوی کہتی جاتی کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ اور اُچھلے کودے پیچھے کہیں چراغ رکھا تھا اس سے جھاڑو میں آگ لگ گئی، یہاں تک کہ بدن کے کپڑوں تک پہنچ گئی، اب میاں تو بندھے جوڑے کھڑے تھے وہ کیونکر آگ سے بچتے، بیوی بھی ان ہی کی طرح بے وقوف تھی، یہ حال دیکھ کر کوٹھے پر جا چڑھی اور محلّہ والوں کو پکارا ارے دوڑو میرا گھوڑا جلا، محلہ والوں نے دل میں کہا کہ کم بخت کو کھانے کے لیے تو ملتا نہیں اس کے یہاں گھوڑا کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ ویسے ہی شرارت سے چیخ رہی ہے یہ کسے خبر تھی کہ وہ شوہر کو گھوڑا کہہ رہی ہے آخر کار میاں وہیں جل کر مرنڈا ہو گئے(۳) یہی حال ناقص کا ہوتا ہے جب وہ اپنے کو کامل پر قیاس کرنے لگے، مولانا فرماتے ہیں۔

نازا روئے بباید ہمچو ورد　　چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا وناز　　عیب باشد چشم نابینا وباز
پیش یوسف نازش وخوبی مکن　　جز نیاز وآہ یعقوبی مکن(۴)

آداب شیخ

طالب کو شیخ کے سامنے نہایت ادب سے رہنا چاہئے اور کسی کو اس کے سامنے بولتا ہوا دیکھ کر اپنے کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایک خاص حالت انشراح(۵)

(۱) آگے پیچھے سے باندھ دو (۲) ٹاٹ یا چمڑے کا تھیلا جس میں دانہ بھر کر گھوڑے کے منہ پر باندھ دیا جاتا ہے (۳) جل کر کوئلہ ہوا (۴) ''ناز کے لیے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تمہارا ایسا چہرہ نہیں تو ناز کے قریب بھی مت جاؤ، بدصورت کا ناز کرنا برا معلوم ہوتا ہے جس طرح نابینا کی آنکھ کا کھلا رہنا برا معلوم ہوتا ہے، یوسف جیسے حسین کے سامنے کیا ناز کرتے ہو، اس کے سامنے صرف نیاز اور آہ یعقوبی کرو (۵) اس کا دل شیخ کے ساتھ کھل گیا ہے۔

پر پہنچ چکا ہے، اس کا بولنا اور بحث کرنا سب ادب میں داخل ہے اور تمہارا بولنا بے ادبی میں داخل ہوگا اور بے ادب کا اس طریق میں کچھ کام نہیں۔

بے ادب را اندریں رہ بار نیست　　جائے او بردار شد در بار نیست(۱)

یعنی بے ادب کی جگہ دار پر ہے (یعنی سولی پر) اور دار کے اندر (یعنی گھر میں) اس کے لیے جگہ نہیں، صاحبو! بزرگوں نے جو شیوخ کے آداب لکھے ہیں وہ لغو نہیں ہیں اور ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا جی برا نہ کرو، اس کے قلب کو مکدر(۲) نہ کرو ورنہ تم کو فیض بھی گدلا ہی پہنچے گا حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرُّہ فرماتے تھے کہ شیخ میزاب رحمت ہے(۳) جس کے واسطے سے تم کو فیض پہنچتا ہے پس میزاب رحمت کو میلا مت کرو ورنہ فیض بھی گدلا ہو کر آئے گا یہ خلاصہ ہے ان آداب کا مشائخ نے اپنی پرستش(۴) نہیں کرائی بلکہ تم کو خالص ومصفا زلال(۵) رحمت پلانا چاہتے ہیں اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ اس کا دل میلا نہ کرو پس ایک حق شیخ کا یہ بھی ہے کہ طالب اپنی رائے اور تجویز کو دخل نہ دے تم یہ مت سوچو کہ میرے واسطے غلبہ شوق مناسب تھا اور اب تک حاصل نہیں ہوا۔ یا التہاب واضطراب(۶) کی مجھے ضرورت تھی اور یہ بات پیدا نہیں ہوئی، بس تم تو اطلاع واتباع سے کام رکھو جب تمہارے سر پر ایسا شفیق موجود ہے جو یوں کہتا ہے

من غم تو میخورم تو غم مخور　　بر تو من مشفق ترم از صد پدر(۷)

شیخ پر اعتماد

پھر تم کو کسی فکر اور سوچ کی کیا ضرورت ہے اُس کو حالات سے اطلاع کر کے بے فکر رہو اور اگر شیخ پر ایسا اعتماد نہیں ہے تو یہ بدگمانی ہے اور

(۱) ''بے ادب کے لیے اس راہ میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کا مقام دار پر ہے نہ کہ دربار میں ہے'' (۲) دل میلا نہ کرو (۳) رحمت کا پرنالہ جس کے ذریعہ رحمت کی بارش کا پانی تم تک پہنچتا ہے (۴) پوجا (۵) رحمت کا صاف شفاف پانی پلانا چاہتے (۶) بیقراری اور جوش وخروش (۷) ''جب میں تمہارا غم کھاتا ہوں پھر تم غم مت کھاؤ، تمہارے اوپر میں تو سینکڑوں باپوں سے زیادہ مہربان ہوں''

بدگمانی کردن و حرص آوری کفر باشد پیش خوان مہتری(۱)

اس کا انجام بجز محرومی کے کچھ نہیں طالب کو شیخ پر اعتماد کلی رکھنا چاہئے کہ یہ جو کچھ بتلاتا ہے اسی میں میرا نفع ہے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ شیخ ہماری تسلی کے واسطے یہ کہہ دیتے ہیں کہ وساوس کا کچھ حرج نہیں ان پر التفات نہ کرو (۲)، التہاب واضطراب (۳) نہ ہونے کا بھی مضائقہ نہیں تم کو مقصود حاصل ہے یاد رکھو یہ سراسر بدگمانی اور شیخ پر رہزانی کا الزام ہے ارے شیخ کو تمہاری جھوٹی تسلی کرنے سے کیا ملتا ہے اس کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ جھوٹی باتوں سے تم کو لبھالے کیا تم سے اس کو کچھ جائیداد بٹوانا رہ گئی ہے اس کی تو یہ حالت ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم(۴)

وہ تم کو وہی طریقہ بتلاتا ہے جو اس کے دل پر تمہارے مناسب القا ہوتا ہے وارثانِ انبیاء کی تعلیم کی وہی شان ہے جو تعلیم انبیاء کی شان ہے کہ

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۴)

اتنا فرق ہے کہ انبیاء وحی سے کہتے ہیں جو قطعی ہے جو اہل اللہ وارد والہام سے کہتے ہیں جو ظنی ہے باقی اپنی طرف سے وہ کچھ نہیں کہتے ہیں، تم تو یہی سمجھو گو وہ کبھی اجتہاد بھی کرے اور اگر وہ اجتہاد میں غلطی کرے گا تو خود کبھی متنبہ ہو کر اصلاح کر دے گا تم کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے یہ تو اس کی تعلیم کے متعلق گفتگو ہے جو تربیت باطن کے متعلق ہو۔

تحقیق مسائل میں شیخ کا ادب

اور اگر کوئی مسئلہ فقہی اجتہادی ہو تو اس میں بھی شیخ کی غلطی پکڑنے کا ہر طالب

(۱) ''بدگمانی کرنا اور حرص کرنا ایسے محسن کے سامنے سخت بے ادبی ہے'' (۲) ان کی طرف توجہ نہ کرو (۳) جوش وخروش نہ ہونا بھی مضر نہیں (۴) ''آئینہ کے پیچھے طوطی صفت ہوں جو کچھ میرے دل میں حق تعالیٰ الہام فرماتے ہیں وہی اصلاح طالبین کے لیے کہتا ہوں'' (۵) ''اہل اللہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے دراصل وہ الہام حق ہوتا ہے اگرچہ وہ کلام اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے''۔

کو حق نہیں صرف اہل علم کو حق ہے وہ بھی ادب کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا ان کو بھی حق نہیں اور اہل علم میں بھی ان کو حق ہے جس سے طبیعت کھلی ہوئی ہو وہ جس طرح چاہیں غلطی پکڑیں کیونکہ ایسے لوگ ادب کے حدود سے نہ نکلیں گے اس طریق میں مچلنے روٹھنے اور لڑنے جھگڑنے کی تو گنجائش ہے مگر گستاخی و بے ادبی کی گنجائش نہیں نہ اس لیے کہ شیخ کو اس کی وجہ سے اپنی کسرِ شان کا خیال ہوگا یا تم سے عداوت ہوجائے گی، ہرگز نہیں جس پر اثر ہوتا ہو وہ شیخ بنانے کے قابل نہیں کیونکہ

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز (۱)

عارف تو اپنے کو سب سے بدتر سمجھتا ہے وہ کسی کی بے ادبی سے برا نہیں مان سکتا بلکہ یہاں بے ادبی اور گستاخی کی اس لیے گنجائش نہیں کہ اس سے شیخ کو تمہاری طلب میں شک ہوجائے گا اور وہ یہ سمجھے گا کہ اس شخص کو مجھ سے تعلق اور محبت نہیں ہے کیونکہ طلب و محبت کے لیے کچھ آثار و شرائط ہیں اور بے ادبی و گستاخی ان کی اضداد ہیں اور شیخ کو طالب کے متعلق یہ خیال ہوجانا کہ اس کو مجھ سے محبت نہیں میزاب رحمت کے تکدر کا سبب ہے اس پر وہ تم کو اپنی مجلس سے نکال کر باہر کردے گا کہ تم کو طالبین میں داخل ہونے کا حق نہیں، ہاں اجنبی بن کر آؤ پھر جتنا چاہو برا بھلا کہو، طالب بن کر گستاخی کرنا نفاق اور دھوکہ دہی ہے اور اگر تم عالم نہیں ہو تو پھر فقہی اجتہادی مسائل میں شیخ کی غلطی ہرگز نہ نکالو نہ ادب سے نہ بے ادبی سے کیونکہ مسائل اجتہادیہ میں فقہا کا اجتہاد ہوتا ہے تو ممکن ہے شیخ کسی دوسرے فقیہ کے اجتہاد کو راجح سمجھتا ہو اس میں تم دخل دینے والے کون ہو۔

مسائل اجتہادیہ میں حضرت تھانویؒ کی احتیاط

اب ختم کے قریب آ گیا ہوں خلاصہ میرے بیان کا یہ ہے کہ محبت کے دولَون ہیں (۲)، ایک التہاب واضطراب (۳) جو نسبت چشتیہ کا رنگ ہے اور ایک برودت وخمود (۴)

(۱) ”دریائے فراواں میں پتھر مارنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا جو عارف مخلوق کی ایذا رسانی سے رنجیدہ اور متاثر ہوتا ہے وہ ابھی مبتدی ہے اس کا پانی قلیل ہے البتہ طبعی اثر سے کامل بھی متاثر ہوتا ہے“ (۲) دو رنگ میں (۳) جوش وخروش (۴) خاموشی وسکون۔

جونسبت نقشبندیہ کا رنگ ہے پس طالب کو ہر حال میں راضی اور خوش رہنا چاہئے اور اپنے کو کسی حال میں محبت سے خالی اور محروم نہ سمجھنا چاہئے درمیان میں اعتماد علی الشیخ کا مسئلہ اسی کی توضیح کے لیے بیان کر دیا تھا اب میں اول وہ آیت پڑھتا ہوں جس میں یہ مضمون منصوص ہے پھر وہ آیات پڑھوں گا جو میں نے تلاوت کی ہیں جن سے استشہاد لطیف کے طور پر اس مضمون کو مناسبت ہے دراصل آج کافور زنجبیل کے متعلق ایک نکتہ میری سمجھ میں آیا جس کے لیے مجھے اپنی کتاب مسائل السلوک دیکھنے کی ضرورت پڑی جس میں آیت قرآنیہ سے مسائل تصوف کو ثابت کیا گیا ہے تو میں اس میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کافور زنجبیل کے متعلق جو نکتہ میری سمجھ میں آیا ہے کسی صوفی نے اس پر تنبیہ کی ہے یا نہیں کیونکہ مسائل السلوک میں منقول ہے مضامین بھی بکثرت ہیں گو زیادہ اپنے ہی اقوال ہیں اور میرے قلب پر جب کوئی بات وارد ہوتی ہے تو میں یہ چاہا کرتا ہوں کہ سلف کے کلام سے اس کی تائید بھی مل جاوے تو اچھا ہے کیونکہ ہمارے علوم وہی قابل اعتبار ہیں جو علوم سلف سے موید ہوں مگر اس وقت جلد دو نہ ملی اور یہ مضمون ہوتا تو جلد دوم میں ہی ہوتا کیونکہ یہ آیت جس میں زنجبیل و کافور کا ذکر ہے جلد دوم ہی میں ہو سکتی تھی جب اخیر کی جلد نہ ملی تو میں نے ویسے ہی بے ضرورت جلد اول کو دیکھا اتفاق سے شروع صفحہ پر ایک اور آیت نکل آئی جس میں یہ مضمون صریح تھا اس سے مجھے بہت ہی خوش ہوئی کیونکہ نص میں صریح ہونے کے بعد کسی کی تائید کی کیا ضرورت ہے اہل علم کو مضامین علمیہ میں وہ لذت آتی ہے کہ کسی چیز میں بھی نہیں آتی جب کوئی نیا علم حاصل ہوتا ہے تو واللہ سلطنت ہفت اقلیم اس کے سامنے گرد معلوم ہوتی ہے جبھی تو کہتے ہیں۔

تابدانی ہرکرا یزداں بخواند ازہمہ کار جہاں بے کار ماند(۱)

رنگِ ولایت

اب لوگ ان سے دنیا کے خرافات میں شرکت چاہتے ہیں بھلا یہ حماقت نہیں تو کیا ہے بہرحال یہ مضمون صراحۃً مل جانے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور یہ میرا کمال

(۱) ''یقیناً حق تعالیٰ جس کو اپنا خاص بناتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاموں سے بے کار کر دیتے ہیں''

نہیں بلکہ استدعا کرنے والوں کی کشش ہے کہ ان کے افادہ کے لیے حق تعالیٰ یہ علوم عطا کردیتے ہیں مشائخ کو غرہ(۱) نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے اوپر یہ علوم وواردات فائض ہورہے ہیں صاحب یہ طالبین کی کشش ہے ان کی تربیت کے لیے حق تعالیٰ یہ علوم مشائخ کو عطا فرماتے ہیں جیسے ماں کی پستان میں بچہ کی کشش سے دودھ اُترتا ہے اگر بچہ دودھ نہ پیئے تو دو چاردن میں چھاتیاں اکڑ کر سوکھ جائیں گی اور دودھ خشک ہوجائے گا، اسی طرح طالبین نہ ہوں تو مشائخ پر بھی واردات بند ہوجائیں (مگر یہ بات مشائخ کے سمجھنے کی ہے طالبین یہ اعتقاد نہ رکھیں ان کو مضر ہوگا، وہ شیخ ہی کا کمال سمجھیں اپنا کمال نہ سمجھیں ۱۲) بھلا اور تو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی (۲) کہ میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دینے والے حق تعالیٰ ہیں بس یہی اعتقاد مشائخ کو رکھنا چاہئے کہ ہم محض واسطہ فی التقسیم ہیں ہمارا ذاتی کمال کچھ نہیں انما انا قاسم پر ایک لطیفہ یاد آیا۔

علماء کے مختلف رنگ

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج کو تشریف لے گئے تو بعض خدام بھی ساتھ ہولئے جن میں سے بعض کے پاس تو زادراہ (۳) تھا اور بعض کے پاس کچھ نہ تھا، انہوں نے آکر مولانا سے عرض کیا کہ ہمارا بھی حج کرنے کو جی چاہتا ہے مگر سامان کچھ نہیں، مولانا بڑے خلیق تھے فرمادیتے کہ بھائی چلے چلو جو میرا حال وہی تمہارا حال یہاں تو یہ رنگ تھا اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رنگ تھا کہ ایک صاحب نے مولانا سے یہی عرض کیا کہ حضرت میرا بھی حج کو جی چاہتا ہے فرمایا کچھ سامان بھی پاس ہے کہا کچھ نہیں صرف توکل پر چلتا ہوں مولانا نے فرمایا جاؤ بیٹھو بڑے توکل والے ہو بس جس وقت سب لوگ ٹکٹ لیں گے تم بابو کے سامنے توکل کا پوٹلہ رکھ دینا کہ اس میں سے ٹکٹ کے دام نکال لو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ میں لَون نبوت تھا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میں رنگ ولایت تھا اور واقعی انتظام تو مولانا گنگوہیؒ کے طرز میں ہے خود ہم نے ایسے توکل والوں کو دیکھا ہے کہ جہاز میں اور مکہ جدہ پہنچ کر

(۱) اکڑنا نہیں چاہئے (۲) الصحیح للبخاری: ۱/ ۲۷، الصحیح لمسلم کتاب الزکوٰۃ: ۹۸، مسند أحمد: ۲/ ۲۳۴ (۱) سفرخرچ۔

توکل کے بجائے ان میں محض تأکل (۱) رہ جاتا ہے بس جہاں کوئی دسترخوان بچھا کر بیٹھا اور یہ متوکل صاحب اس کے سر پر سوار ہوئے کہ یا شیخ لقمہ، اتنی عربی تو جہاز ہی سے سیکھ لیتے ہیں، میں نے کہا ہاں بھائی تم شیخ ہی کو لقمہ بنالو اسے ہی کچے کو کھا جاؤ۔ راستہ میں یہ لوگ بہت تنگ کرتے ہیں اس سفر میں اوّل کھانا پکانا ہی موت ہے نہ معلوم کس مصیبت سے تو کھانا تیار ہوتا ہے اور جب کھانے بیٹھو تو چار طرف سے یا شیخ لقمہ مجھے تو ان لوگوں پر بڑا غصہ آتا تھا کہ جب ان پر نہ حج فرض تھا نہ قناعت توکل میسر تھا تو یہ آئے کس لیے۔

غرض محمد قاسم صاحبؒ کسی سے انکار نہ فرماتے تھے اس لیے ان کے ساتھ بہت لوگ ہو گئے، اب راستہ میں جہاں مولانا کو فتوحات ہوتیں اور ہدایا ملتے تو سب ساتھیوں کو بلا کر تھوڑا تھوڑا تقسیم فرما دیتے کسی نے عرض کیا حضرت اپنے واسطے بھی تو کچھ رکھ لیجئے، تو بے ساختہ فرمایا انما انا قاسم واللّٰہ یعطی۔ سبحان اللہ پاکیزہ لطیفہ ہے کہ میں تو قاسم ہوں (نام بھی قاسم ہی تھا) اور اللہ دینے والا ہے میرے پاس جو کچھ آتا ہے سب ساتھیوں ہی کی غرض سے آتا ہے مولانا کے یہاں ایسے لطیفے کثرت سے رہا کرتے تھے۔

علمی لطائف

ایک مرتبہ مولانا کی مجلس میں کچھ مٹھائی تقسیم ہو رہی تھی اور ہم نے سنا ہے کہ مولانا کی مجلس میں کھانا پینا مٹھائی بانٹنا اکثر رہا کرتا تھا، کوئی مجلس بہت کم اس سے خالی ہوتی تھی، تو ایک دفعہ مولوی محمد فاضل صاحب پہلتی مٹھائی تقسیم کر رہے تھے اخیر میں کچھ بچ گئی تو مولانا فرماتے ہیں الفاضل للقاسم کیا عجیب لطیف جملہ ہے جس کے چند معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بچا ہوا بانٹنے والے کا ہے دوسرے یہ کہ بچا ہوا مسمی بہ قاسم ہے یعنی میرا تیسرے یہ کہ مسمی بہ فاضل مسمی بہ قاسم کے لیے ہیں، لام تخصیص کا ہے یعنی ایک دوسرے کے لیے مخصوص ہے۔ (مولوی فاضل صاحب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مخلص شاگرد تھے ۱۲) چونکہ مجلس بے تکلفی کی تھی اور مولانا نے مزاح کا موقعہ دے دیا تھا

(۱) پیٹ بھرنا۔

تو مولوی فاضل صاحب نے بھی لطیفہ کا جواب دیا کہا کہ نہیں الفاضل للفاضل والقاسم محروم، اس کے بھی چند معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ بچا ہوا مسمی فاضل کا ہے یعنی میرا اور مسمیٰ بقاسم محروم ہیں یعنی آپ۔ دوسرے یہ کہ بچا ہوا اس شخص کا ہے جو فاضل ہے (یعنی مولانا) اور بانٹنے والا محروم ہے میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ جب شیخ وطالب میں بے تکلفی اور انشراح ہو چکا ہو تو پھر مذاق اور دل لگی اور شوخی سب کی گنجائش ہے لیکن ہر ایک اپنے کو دوسرے پر قیاس نہ کرے۔ خیر یہ تو انما انا قاسم پر ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا۔

ترجمہ آیت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس مضمون کا صراحۃً مل جانا میرا کمال نہیں بلکہ استدعا کرنے والوں کی کرامت ہے۔ بہرحال اس مضمون کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں صراحۃً بیان فرمایا ہے جو سورۂ ہود کی آیت ہے۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَٰهَا مِنْهُ إِنَّهُۥ لَيَـُٔوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ ٱلسَّيِّـَٔاتُ عَنِّىٓ ۚ إِنَّهُۥ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٠﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾ (۱) اس میں حق تعالیٰ نے انسان کا ایک طبعی خاصہ بیان فرمایا ہے کہ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم اس کو کسی رحمت کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے یہاں رحمت عام ہے، رحمت ظاہرہ وباطنہ دونوں کو کیونکہ اس جگہ اس کو اطلاع کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

رحمت کی دو قسمیں

دوسری جگہ تصریح فرمائی ہے کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً (۲) نعمت ظاہرہ کے معنی یہ ہیں کہ محسوس ہو اور

(۱) ''اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ نا اُمید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دُکھ درد رخصت ہوا (اب) وہ اترانے لگتا ہے (اور) شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے نہیں ہوتے) ایسے لوگوں کے لیے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے'' سورہ ھود: ۹۔۱۱ (۲) ''کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو کامل کیا ہے ظاہری بھی اور باطنی بھی'' سورۂ لقمان: ۲۰۔

باطنہ وہ ہے جو محسوس نہ ہو خواہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی، نعمت باطنہ دینیہ کی مثال تو شوق وذوق وغیرہ ہے ایسے ہی انس واطمینان وغیرہ رنگ مختلف ہیں کسی نعمت کا رنگ کیفیت عشقیہ جذبیہ کے ساتھ ہے اور کسی کا سلوک ومعرفت عقلیہ کے طور پر باقی نعمت ہونے میں دونوں برابر ہیں اور نعمت باطنہ دنیویہ کی مثال عقل وشعور وادراک وتمیز وذکاوت وفطنت (۱) وعلم وغیرہ ہے۔ بہرحال یہاں نعمت باطنہ سے اصطلاح تصوف تو مراد ہے نہیں مگر صوفیہ جن کو نعم باطنہ کہتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ضرور ہیں گو ان میں انحصار نہ ہو اور مِنَّا کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رحمت غیر مکتسبہ موہوبہ مراد ہے (۲) جس میں اختیارِ انسان کو دخل نہ ہو کیونکہ نعمت مکتسبہ اختیاریہ کے سلب پر رنج کرنے کی ممانعت نہیں نہ اس پر یہ وعید ہے مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتا روزے رکھتا ہے پھر کسی دن یہ نعمت سلب ہوجائے کہ نماز روزہ فوت کردے تو اس پر رنج ہونا چاہئے اور اس رنج کرنے پر کوئی وعید نہیں ہے یہ وعید تو رحمت موہوبہ غیر مکتسبہ (۳) کے سلب پر رنج وپریشانی کرنے کے متعلق ہے، چنانچہ مِنَّا رَحْمَةً اس کا قرینہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہے، نہ سلباً نہ وجوداً اگر کوئی نعمت موہوبہ بدون اس کے اختیار کے سلب ہوجائے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا نہ قرب میں کمی ہوگی اور اگر کوئی مصیبت وقسمت (۴) بدون اس کے اختیار کے پیدا ہوجائے تو اس پر بھی مواخذہ (۵) نہ ہوگا، نہ قرب میں کمی آئے گی بشرطیکہ اپنے اختیار کو ذرا دخل نہ دے۔

غیر اختیاری عشق مجازی

مثلاً برے برے وسوسے از خود آنے لگیں یا کسی مخلوق سے اضطرار عشق ہوجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور یہ نہ کہا جائے گا کہ تم کو بے اختیار بھی وسوسے کیوں آئے اور بے اختیار ہی عشق کیوں ہوا، بلکہ اگر اس میں اختیار کو دخل نہ دیا جائے تو عشق مجازی بھی رحمت ہوجاتا اور عشق حقیقی کا وسیلہ بن جاتا ہے غرض عدم اختیار کی صورت

(۱) چیزوں کو سمجھ لینا ذہانت اور عقلمندی ہے (۲) ایسی نعمت مراد ہے جس میں انسان کے کسب کو دخل نہ ہو (۳) ایسی نعمت پر جو اس کی محنت سے حاصل نہ ہوئی ہو سکے چھن جانے پر رنج نہ کرے (۴) کوئی مشکل (۵) پکڑ نہیں۔

میں نقمت (۱) بھی نعمت ہے اور جیسے امراض جسمانی میں اَجر ملتا ہے کیونکہ ان سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح امراض باطنیہ میں بھی اجر ملتا ہے اگر ان کے بڑھانے کی کوشش نہ کرے بلکہ ازالہ وامالہ (۲) کی فکر کرے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عاشقی گر زیں سروگرزاں سرست عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست

اور یہی مطلب مولانا جامیؒ کے اس ارشاد کا ہے

متاب از عشق روگرچہ مجازی است کہ آں بہر حقیقت کارسازی است (۳)

اگر اوّل الف باتا نخوانی زقرآں حرف خواندن کے توانی (۴)

یعنی اگر بے اختیار عشق مجازی کسی میں پیدا ہوجائے تو اس میں گھبرائے نہیں کیونکہ اس درجہ میں وہ بھی کام کی چیز ہے، اگر احتیاط رکھے تو وہ عشق حقیقی کا زینہ بن جاتا ہے باقی یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عشقِ مجازی کو از خود لپٹا لو بلکہ اگر لپٹ جائے تو اس سے کام لو چنانچہ شیخ سعدیؒ از خود لپٹانے کی تو صاف صاف نفی کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

سوم باب عشق ست ومستی وشور نہ عشقے کہ بندند برخود بزور (۵)

شیخ سعدی اور عشق مجازی

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گلستان وبوستان میں عشق مجازی کی کچھ حکایتیں لکھ دی ہیں اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدانخواستہ شیخ بھی آج کل کے لوگوں کی طرح عشق باز اور امردوں کو گھورنے والے تھے اور وہ عشق مجازی کو مطلقاً اچھا کہتے تھے، یہ بالکل غلط ہے شیخ نے جہاں کہیں عشق مجازی کی مدح کی ہے یا ایسے عشاق کی حکایتیں لکھی ہیں اس سے مراد وہی عشق ہے جو از خود بلا اختیار لپٹ جائے چنانچہ باب عشق کے

(۱) مصیبت (۲) اس کے دور کرنے کی کوشش کرے (۳) ''عشق مجازی پر اگر صبر کیا جائے اور ہر طرح سے تقویٰ کا اہتمام ہو تو یہ عشق حقیقی کی طرف رہبری کرتا ہے مگر اپنے اختیار سے عشق مجازی نہ اختیار کیا گیا ہو'' (۴) ''عشق مجازی اگر تعبیر اختیار ہوجائے تو گھبراؤ مت کہ اس سے حق تعالیٰ شانہ اور اہل اللہ کی محبت سمجھ میں آئے گی اگر تم الف بانہ پڑھو گے تو قرآن مجید کیسے پڑھو گے'' (۵) ''تیسرا باب عشق ومستی غیر اختیاری ہے نہ وہ عشق جو فسق ہے اور قصداً کسی سے کیا جاتا ہے''۔

شروع ہی میں فرماتے ہیں:

نہ عشقے کہ بندند بر خود بزور(۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ندادند صاحبدلاں دل بہ پوست وگرابلہے داد بے مغز اوست(۲)

وہ تو ایسے شخص کو جواز خود مخلوق کو دل دے ابلہ اور بے مغز فرمارہے ہیں، پھر وہ اس کی مدح یا تعلیم کیونکر کر سکتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں۔

مکن بدبہ فرزند مردم نگاہ کہ ناگاہ فرزندت آید تباہ(۳)

کہ دوسروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھو پھر وہ بھی تمہارے لڑکوں کو اس نگاہ سے دیکھیں گے واقعی جو شخص دوسروں کی اولاد سے برا تعلق رکھتا ہے دوسرے بھی اس کی اولاد سے ویسا ہی تعلق کرتے ہیں اگر کوئی یہ چاہے کہ میرا لڑکا لوگوں سے محفوظ رہے تو اس کو چاہئے کہ دوسروں کی اولادوں سے برا تعلق نہ رکھے۔

امرد پرستی کی برائی

بہرحال شیخ امرد پرست نہ تھے جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے انہوں نے تو ایک جگہ ایک امرد پرست کی حکایت بطورِ ذم کے لکھی ہے کہ بقراط کا ایک زاہد پر گزر ہوا جو بے ہوش پڑا تھا، بقراط نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر اسے نور خداوندی کا مشاہدہ ہوا تو وجد سے بے ہوش ہوگیا۔ بقراط نے کہا کہ اس کو امرد ہی میں خدا کا نور نظر آیا میرے اندر نہ نظر آیا یہ جھوٹا ہے، محض نفس کی شرارت سے یہ اس پر عاشق ہوا ہے۔ اگر قدرت خدا کے مشاہدہ سے عاشق ہوا ہوتا تو اس کی نظر میں امرد اور داڑھی والا دونوں برابر ہوتے اور گو بقراط کا قول کوئی حجت نہیں۔ مگر فلسفی کے قول کی تائید محقق کوئی کردے تو اس کو صحیح کہا جائے گا، چنانچہ اس حکایت کو

(۱) ''وہ عشق جو بلا اختیار خود لپٹ گیا نہ کہ از خود کیا گیا'' (۲) ''اہل دل ہرگز کسی غیر اللہ کو دل نہیں دیتے اور بے مغز لوگ ہی عشق مجازی میں مبتلا ہوتے ہیں'' (۳) ''کسی کے لڑکے کو بری نظر سے مت دیکھو ورنہ تمہارے لڑکے کو لوگ بری نظر سے دیکھیں گے''۔

نقل کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محقق ہماں بیند اندر ابل کہ درخو برویاں چین وچگل(۱)

محقق تو اونٹ میں بھی وہی جمال حق دیکھتا ہے جس طرح اور مخلوق کے حسن کو آئینہ جمال حقیقی سمجھتے ہیں۔

حقیقی عشق مجازی

بہرحال مشائخ نے جس عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ کہا ہے وہ وہ ہے جس کا نہ حدوث (۲) اختیاری ہے نہ بقا اختیاری ہے یعنی نہ اس کو اختیار سے پیدا کیا گیا نہ اختیار سے باقی رکھا گیا ہے کہ نہ تو محبوب کے دیکھنے کو جاتا ہے نہ اس کی آواز سننے کا قصد کرتا ہے نہ سامنے آنے جانے پر قصداً نظر کرتا ہے نہ ارادہ سے اس کا خیال لاتا ہے۔ اگر ایسا کرے تو ان شاء اللہ بہت جلد حق تعالیٰ کا عشق اس کے قلب میں جوش زن وموج زن ہوگا اور یہ بھی نہ ہوا تو یہ شخص بڑا مجاہد ہوگا مجاہد بھی واصل ہے اور ایک حدیث اس کے متعلق مشہور ہے گو صحت کا حال معلوم نہیں جس میں اس کو شہید کہا گیا ہے۔ من عشق فکتم وعف فمات فھو شھید (۳) (قلت قال فی الدر المنتثرۃ لہ طرق من حدیث ابن عباس قلت اخرجہ الحاکم فی تاریخ نیسابور والخطیب فی تاریخ بغداد و ابن عساکر فی تاریخ دمشق واخرجہ الخطیب ایضًا من حدیث عائشۃ بلفظ من عشق فعف ثم مات مات شھیدا وورد الدیلمی بلا اسناد عن ابی سعید العشق من غیر ریبۃ کفارۃ للذنوب اھر ص ۲۰۸۔ ۱۲ جامع) اس میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک عفت جس کے معنی ہیں معاصی سے بچنا اور معاصی کی چند مثالیں میں نے بیان کردی ہیں جن سے عشق میں بچنا ضروری ہے، دوسری کتمان یعنی عشق کو چھپانا یہ اس واسطے ضروری ہے تاکہ دوسرے کی (یعنی محبوب کی) بدنامی نہ ہو خصوصاً اگر عورت سے

(۱) ''محقق جو صناعی قدرت اونٹ میں دیکھتا ہے وہ دوسرا چین وچگل کے خوبروؤں اور حسینوں میں نہیں دیکھتا''

(۲) نہ ہونا اختیاری ہے (۲) '' اتحاف السادۃ المتقین: ۷/ ۴۴۰، کنز العمال: ۱۲۰۳ او کشف الخفاء للعجلونی: ۲/ ۳۶۳۔

عشق ہوجائے تو وہاں کتمان بہت ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں کے گمان بہت دور دور پہنچتے ہیں کہ شاید دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی پھر اس سے عورت کی بہت بدنامی ہوتی ہے اور کسی کو بلا وجہ بدنام کرنا یا بدنامی کا سبب بننا گناہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب عشق مجازی میں گھٹ گھٹ کر مرجانا شہادت ہے بوجہ تحمل مشقت شدیدہ کے تو عشق حقیقی میں گھٹ گھٹ کر مرنا شہادت کیوں نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی عشق مجازی سے مشقت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

نسبت شوقیہ

یہ جو نسبت شوقیہ ہے یہ آگ جیسی ہے دل کو بھون کر رکھ دیتی ہے، چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

غلام آں کلما تم کہ آتش افروزد

اسی لیے نسبت چشتیہ کبھی آگ کی صورت میں مکشوف ہوتی ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجلی گر پڑی ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اوپر بجلی گری، فرمایا مبارک ہو نسبت چشتیہ حاصل ہوگی تو جو اس میں مرجائے وہ حریق نار(۱) کے مشابہ ہے اور نسبت سکون پانی جیسی ہے جو نہایت ٹھنڈی ہوتی ہے چنانچہ کبھی اس کا انکشاف بارش کی شکل میں ہوتا ہے کبھی دریا کی شکل میں اسی واسطے نقشبندیہ پانی کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں کہ یوں تصور کرے کہ گویا قلب پر عرش سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ہم بحمد اللہ دونوں کے یہاں گئے ہیں چشتیہ کے پاس بیٹھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آگ برس رہی ہے ان کی باتوں سے اور توجہ سے حرارت بڑھتی تھی اور بچپن میں مولانا رفیع الدین صاحب کے حلقہ میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ نقشبندی تھے بعض دفع یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قلب پر برف رکھ دیا ہو اور یوں خیال ہوتا تھا کہ شاید فرشتوں میں بھی ایسی ہی برودت(۲)

(۱) ایسا ہے جیسے اس کو آگ نے جلا دیا (۲) ٹھنڈک۔

وسکون کی کیفیت ہوگی جیسی اس وقت ہمارے اندر ہے اور جس طرح آگ سے کبھی موت کی نوبت آجاتی ہے اسی طرح پانی بھی کبھی ڈبودیتا ہے چنانچہ سکون وانس کے غلبہ سے بعض دفعہ استغراق(۱) پیدا ہوجاتا ہے جس میں انسان تدبیر بدن نہیں کرسکتا، نہ کھانے کے ہوش رہتے ہیں نہ پینے کے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پانی میں ڈوبنے والے کا ہوتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے غرض غلبہ ہر کیفیت کا قاتل ہے(۲) پھر یہ لوگ شہید کیوں نہ ہوں گے ضرور ہوں گے۔

کیفیات سالک

تو اب سالک کو کسی حال میں پریشان نہ ہونا چاہئے، خواہ غلبہ شوق ہو یا غلبہ انس ہو ہر حال میں راضی رہے ایک دن وصول ضرور میسر ہوگا اور نہ بھی ہوا اور یوں ہی طلب میں گھٹ گھٹ کر مرگیا، اللہ کے راستہ میں اگر جان بھی جائے تو کیا ہوا پھر اس وقت یہ شہید ہوگا اور شہید بھی واصل ہوتا ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ نسبت چشتیہ آگ کے مشابہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ چشتیہ میں برودت نہیں ہوتی یا نقشبندیہ میں حرارت نہیں ہوتی بلکہ دونوں نسبتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں جیسے جسم میں حرارت(۳) وبرودت دونوں ساتھ ساتھ مجتمع ہوتی ہیں البتہ غلبہ ایک کو ہوتا ہے چشتیہ میں حرارت کا غلبہ ہوتا ہے اور نقشبندیہ میں برودت کا دونوں نے شراب پی رکھی ہے اور ظاہر ہے کہ شراب میں پانی کا جزو بھی ہوتا ہی ہے لیکن چشتیہ کی شراب میں تو سنکھیا(۴) ملا ہوا ہے جس سے حرارت بڑھ جاتی ہے اور نقشبندیہ کی شراب میں افیون ملا ہوا ہے جس سے برودت کا اثر غالب ہوگیا، عارف فرماتے ہیں۔

ارزاں افیوں کہ ساقی می درافگند حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

معلوم ہوتا ہے کہ شراب میں افیون ملانے کا رواج تھا تو نقشبندیہ کی شراب ایسی ہی ہے اور ظاہر ہے کہ افیون کے مل جانے سے گو عارض برودت(۵) کا غلبہ ہوگیا مگر

(۱) بے خودی کی کیفیت (۲) کوئی بھی کیفیت ہو اس کا غلبہ بندے کو قتل کردیتا ہے (۳) گرمی سردی (۴) زہر (۵) افیوم ملنے کی وجہ سے وہ شراب ٹھنڈی ہوگئی لیکن شراب کی گرمی بدستور ہے۔

شراب کی حرارت بالکلیہ زائل نہیں ہوگی اور یہ فرق بھی دونوں نسبتوں میں ابتداء اور توسط میں نظر آتا ہے اور انتہاء میں تو اہل شوق بھی اہل انس ہو جاتے ہیں یعنی چشتیہ بھی نقشبندی بن جاتے ہیں، جیسے ہنڈیا ابتدا میں کھد کھد کرتی ہے اور پکنے کے بعد خاموش ہو جاتی ہے پس اخیر میں چشتیہ کی حالت بھی سکون کی ہو جاتی ہے مگر حرارت زائل نہیں ہوتی بلکہ قوت ضبط بڑھ جاتی ہے پہلے اوپر بھی اثر تھا اب اندر ہی اندر کام کرتی ہے۔

حضرت جنید کا حال

چنانچہ ایک بار حضرت جنید رحمۃ کی مجلس میں کسی نے کوئی شعر پڑھا جن پر بہت لوگوں کو وَجد ہوا مگر حضرت جنیدؒ ویسے ہی سکون کے ساتھ بیٹھے رہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو وَجد نہیں ہوا تو فرمایا وَتَرَى ٱلْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ ٱلسَّحَابِ (۱) عنی قیامت میں تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کروگے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے، مطلب یہ تھا کہ حرکت تو ہم کو بھی ہو رہی ہے مگر دوسروں کو نظر نہیں آتی ہماری حرکت پہاڑ کی سی حرکت ہے پھر فرمایا کہ ذرا میرے بدن کو ہاتھ تو لگاؤ بس ہاتھ لگانا تھا کہ خون کا فوارہ جسم سے نکل پڑا، معلوم ہوا کہ آپ پر بھی وجد کا اثر بہت سخت ہوا تھا مگر

کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی

عاشقان الٰہی کا حال

غرض جب حدیث میں عشق مجازی پر صبر کرنے والے کو شہادت کی بشارت دی گئی ہے تو عشق حقیقی کی تکالیف پر صبر کرنا شہادت کیوں نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ کلفت باطنی کلفت ظاہری سے اشد ہے ایک محقق فرماتے ہیں۔

ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حالِ شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند (۲)

(۱) سورۃ النمل: ۸۸ (۲) ''اے شخص تیرے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہ چبھا تو ان شیروں کو کیا جانے جن کے سر پر مصائب کی تلواریں چلتی ہیں''۔

اور شیخ سعدی فرماتے ہیں:

خوشا وقت شوریدگان غمش اگر تلخ بینند وگرمر ہمش
گدایان از بادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور
دما دم شراب الم در کشند دگر تلخ بینند دم در کشند(۱)

ان کے قلب پر واللہ ہر دم آرے چلتے ہیں اور دم بخود رہتے ہیں یہ تو نقشبندیہ کا حال ہے آگے فرماتے ہیں۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست مگر مستمع را بدانم کہ کیست(۲)

آگے فرماتے ہیں۔

بہ تسلیم سردر گریباں برند چو طاقت نماند گریبان درند(۳)

شہداءِ امت

یہ چشتیہ کا حال ہے کہ اول تو وہ بھی ضبط سے کام لیتے ہیں جب طاقت ضبط نہیں رہتی تو ہاتھ پیر مارتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح بھی نہ ہو تو وہ حدیث تو صحیح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء امت کی فہرست بیان فرمائی ہے کیونکہ اُمت میں شہداء بہت ہیں، صرف مقتول ہی شہید نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: المطعون شہید والمبطون شہید والغریق شہید والحریق شہید اور ایک روایت میں ہے ومن مات بہدم الدار ومن ماتت بجمع۔ او کما قال ای فی النفاس اوالعمل (۴) یعنی جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید اور جو پیٹ کی بیماری میں مرے جیسے ہیضہ وغیرہ وہ بھی

(۱) ''کیا اچھا وقت ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے غم سے شوریدہ خال ہیں اگر ناموافق حالات پیش آتے ہیں تب بھی خوش ہیں اگر موافق حالات پیش آتے ہیں تب بھی خوش ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عاشقوں کو دیکھو کہ بادشاہی سے نفرت کئے ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ کی رضا کی امید میں گدائی کی حالت میں ہیں، ہر وقت دنیا کے رنج وغم کھاتے ہیں اور تلخیوں کے باوجود صبر وشکر سے رہتے ہیں (۲) اے بھائی میں بتاؤں کہ سماع کیا چیز ہے مگر سماع سننے والوں کو میں جانتا ہوں کہ کون ہیں (۳) '' حالت تسلیم سے سردر گریبان ہوتے ہیں اور جب تسلیم کی طاقت نہیں ہوتی تو گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں'' (۴) الصحیح للبخاری: ۷/ ۱۹۶، مسند أحمد: ۲/ ۵۲۲، کنز العمال: ۱۱۲۲۱۔

شہید اور جو پانی میں ڈوب کر مرجائے وہ بھی شہید اور جو آگ میں جل جائے وہ بھی شہید اور جس پر مکان گر پڑے اور دب کر مرجائے وہ بھی شہید جو عورت بچہ کی وجہ سے مرجائے وہ بھی شہید اور جو آگ میں جل جائے وہ بھی شہید ہے، ان کے علاوہ اور بھی شہداء ہیں اور میرے نزدیک سب میں علت مشترکہ یہ ہے کہ کسی ایسی مشقت کا وُرُود(۱) ہو جس کا تحمل عادۃً دشوار ہو چنانچہ جتنی نظیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ان سب میں ایسی مشقت ہے جس کا تحمل دشوار ہے(۲)، طاعون میں ایک آگ سی بدن میں لگ جاتی ہے ہیضہ میں بھی سخت کرب و بے چینی ہوتی ہے، ڈوبنے والا اور مکان سے دب کر مرنے والا گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے وعلیٰ ہذا۔ اور میں بتلا چکا ہوں کہ نسبت چشتیہ نار کے مشابہ ہے اور نسبت نقشبندیہ پانی کے مشابہ ہے اور شوق کی آگ اور انس کی برودت ظاہری آگ پانی سے اشد ہیں(۳) تو یہ بھی حریق وغریق کے مشابہ ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ مقتول بالسیف(۴) کے مشابہ ہیں کیونکہ مقتول بالسیف کے شہید ہونے کی بھی تو یہی علت ہے کہ اس نے ایسی مشقت کا تحمل کیا ہے جس کا تحمل عادۃً دشوار ہے۔

طاعون اور ہیضہ وغیرہ میں مرنے والوں کو شہید قرار دینے کی وجہ

اور اس علت کا قرینہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے علاوہ اور بہت سوں کو شہید فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مقتول کی شہادت کسی علت سے معلل ہے اور چونکہ وہ علت ان نظائر میں موجود تھی اس لیے ان کو بھی مقتول کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اور میں بتلا چکا ہوں کہ ان سب میں علت مشترکہ بھی ہے یعنی ورود مشقۃ شدیدۃ تتعذر تحملہا عادۃً(۵) اور جب حکم معلل ہے تو جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم کا قیاساً ثابت کر دینا غلط نہ ہوگا اور عشق حقیقی میں مشاق وآلام قتل بامرالسیف(۶) سے زیادہ ہیں مقتول بالسیف

(۱) کوئی ایسی حالت پیش آجائے جس کا تحمل نہ ہوسکتا ہو (۲) جس کو برداشت کرنا مشکل ہے (۳) شوق کی آگ اور شوق کی ٹھنڈک آگ اور پانی سے زیادہ گرم وٹھنڈی ہے (۴) جس کو تلوار سے قتل کریں اس کے مشابہ ہے (۵) ایسی مشکل کا پیش آجاتا کہ عادۃً اس کو برداشت کرنا مشکل ہو (۶) عشق حقیقی میں تکالیف تلوار سے قتل کرنے سے بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

تو ایک دفعہ جان دے چکا تلوار چل گئی قصہ ختم ہوا اور یہاں یہ حال ہے کہ

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست (۱)

کیفیات باطنیہ کا حال

جن پر کیفیات باطنیہ طاری ہوتی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان پر کیا گزرتی ہے واقعی وہ تو نہ معلوم کتنی مرتبہ جیتے اور مرتے ہیں ایک عارف فرماتے ہیں انتم تخافون المعاصی ونحن نخاف الکفر (۲) ظاہری تکالیف میں تو جان ہی کا خطرہ ہے اور باطنی تکالیف میں ایمان کا خطرہ ہے اور یہ خطرہ سب سے اشد ہے حضرت شبلی نے ایک دفعہ کسی سالک سے پوچھا ای الصبر اشد کہ بتلاؤ سب سے زیادہ سخت کون سا صبر ہے قال الصبر باللہ قال لا قال الصبر مع اللہ قال لا یعنی اس نے کہا کہ صبر باللہ بہت سخت ہے، فرمایا نہیں کہا صبر مع اللہ بہت سخت ہے فرمایا نہیں، قال فی الغیر اللہ اس نے کہا پھر آپ بتلائیں کہ کون سا صبر اشد ہے فرمایا اصبر عن اللہ خدا سے صبر کر لینا زیادہ سخت ہے اور یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ ہائے (۳) اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ای کہ صبرت نیست از فرزندوزن صبر کے داری زرب ذوالمنن

ای کہ صبرت نیست از دنیای دوں صبر چوں داری زنعم الماہدوں (۴)

واقعی خدا سے صبر نہیں ہوسکتا اور سب سے ہوسکتا ہے اور سالک کو ہر وقت اس کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں یہ حالت پیدا نہ ہو جائے اس کو اپنی طلب پر ہمیشہ بدگمانی رہتی ہے کہ میرے اندر طلب ہے بھی یا نہیں اور اس غم میں نہ معلوم کتنی دفعہ ہلاک ہوتا اور جیتا ہے میں دوبارہ شعر پڑھتا ہوں۔

---

(۱) ''خنجر تسلیم کے قتل کئے ہوؤں کو ہر زمانے میں غیب سے جان عطا ہوتی ہے'' (۲) ''تم گناہ سے ڈرتے ہو اور ہم کفر سے ڈرتے ہیں'' (۳) اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی اور حضرت مولانا پر بہت زیادہ جلال تھا ۱۲ جامع (۴) ''اے شخص تجھے فرزندوں سے صبر نہ آیا پھر کس طرح تو حق تعالیٰ جیسے محسن سے صبر کئے بیٹھا ہے جب تجھ کو دنیائے دوں سے صبر نہیں ہے تو پھر تجھے حق سبحانہ وتعالیٰ سے کس طرح صبر آ گیا''۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند (۱)

راہ سلوک کی حقیقت

اے صاحب جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں واللہ وہ تلوار سے تیز بال سے باریک ہے ان کی جان پر جو بنتی ہے اس کی کسی کو کیا خبر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مشائخ بڑے مزہ میں ہیں لوگ ان کے ہاتھ چومتے ہیں تعظیم وتکریم کرتے ہیں ہدایا وتحائف لاتے ہیں بس یہ سب سے زیادہ بے فکر ہیں ارے تم کو ان کے دل کی کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ کے کیا کیا معاملات ان کے ساتھ پیش آتے ہیں اور کیسے کیسے خطرات ان پر گزرتے رہتے ہیں بھلا جس کے سر پر تلوار کھڑی ہو اس کو کسی کی تعظیم وتکریم یا ہاتھ پیر چومنے سے کچھ لطف آسکتا ہے، یہ محض بدگمانی ہے اولیاء اللہ کے ساتھ تو جب ان کی یہ حالت ہے تو کیا مقتول سیف اور حریق وغریق تو شہید ہوں اور یہ لوگ شہید (۲) نہ ہوں یہ بھی ضرور مقتول فی سبیل اللہ کی طرح شہید ہیں اور یہ میں قرآن کی تفسیر نہیں کرتا کہ: وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ (۳) میں اولیاء بھی داخل ہیں بلکہ علم اعتبار وقیاس کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ بھی انہیں کے حکم میں ہیں اور یہ کوئی تنہا میری رائے نہیں بلکہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی تفسیر مظہری میں شہداء کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اذا کان هذا حال المقتول بسيف الكفار فكيف بقتيل سيف الجبار کہ جب مقتول سیف کفار (۴) کی یہ فضیلت ہے تو جو سیف جبار سے مقتول ہوا ہو اور تلوار عشق کا کشتہ (۵) بنا ہو اس کی تو کیا کچھ فضیلت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ میں اس مسئلہ میں متفرد نہیں ہوں بل لی فيه سلف (۶) سلف میں بھی بعض کی یہی رائے ہے پس طالب کو

(۱) ''اے وہ شخص جبکہ تیرے پاؤں میں ابھی کانٹا بھی نہیں چبھا تو تجھے ان لوگوں کی کیا خبر جن کے سروں پر تلواریں چل رہی ہیں'' (۱) بذریعہ تلوار قتل ہونے والا اور جل کر یا ڈوب کر مرنے والا تو شہید ہو اور عشق الٰہی میں مرنے والا شہید نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے (۲) ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مارا جائے اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے'' سورۃ البقرہ: ۱۵۴ (۳) کافر کی تلوار سے مارا جانے والا (۴) جس کو اللہ نے تلوار عشق سے مارا ہو اس کا کیا حال ہوگا (۵) بلکہ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے۔

گھبرانا نہ چاہئے۔ ان شاء اللہ وہ ہر حال میں واصل ہے یا شہید ہے خواہ نسبت شوقیہ ہو یا نسبت انسیہ ہو ایک صورت میں وہ حریق ہے اور دوسری صورت میں غریق ہے اور دونوں کے لیے بشارت شہادت ہے (یہاں پہنچ کر پھر حضرت مولانا نے کاتب سے ماقبل کا ربط دریافت فرمایا کہ یہ مضمون کس بات پر بیان ہوا تھا اس نے عرض کیا کہ اس سے پہلے یہ ارشاد ہوا تھا کہ امور غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں ہوتا فرمایا کہ ۱۲ جامع)

مواخذہ کا مدار

میں یہ کہہ رہا تھا کہ مواخذہ کا مدار اختیار پر ہے اور بے اختیار کے تو اگر زحمت بھی پیش آئے تو وہ رحمت ہے۔ جیسے عشق مجازی اور وساوس اور خمود[۱] وغیرہ تو امور غیر اختیاریہ سے انسان کو پریشان نہ ہونا چاہئے مگر انسان کی عادت یہ ہے کہ یہ رحمت موہوبہ غیر مکتسبہ[۲] کے سلب سے بھی پریشان ہوتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے، انه لَيَؤُسٌ كَفُوْرٌ کہ ناامید ہوجاتا اور ناشکرا بن جاتا ہے۔

چنانچہ کسی میں التہاب واضطراب[۳] کی کیفیت نہ ہو تو وہ اپنے کو محبت سے خالی ومحروم سمجھ کر وصول سے ناامید ہوجاتا ہے حالانکہ یہ کیفیات غیر اختیاریہ ہیں ان کے ہونے نہ ہونے پر کچھ بھی مدار نہیں پھر یہ شخص ناامیدی کے ساتھ ناشکری بھی کرتا ہے کہ جن افعال اختیاریہ کی حق تعالیٰ نے اس کو توفیق دے رکھی ہے ان کی قدر نہیں کرتا اور ان کو اپنے لیے قرب ووصول کا کافی ذریعہ نہیں سمجھتا، ایک عادت تو انسان کی یہ ہے دوسری عادت یہ ہے وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ ٱلسَّيِّـَٔاتُ عَنِّىٓ[۴] کہ اگر پریشانی کے بعد حق تعالیٰ اس کو راحت دے دیں تو بے فکر

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو اور اس کو اس کی حالت سے بدل ڈالے جیسے حزن وسرور یہ وجد کہلاتا ہے پھر اس کے مختلف مراتب ہیں۔ قصود، پھر ورود پھر شہود پھر وجود پھر خمود۔ ان کیفیات کی مثال حضرت تھانوی نے یوں دی جیسے کسی نے دریا پر آنے کا ارادہ کیا پھر اس پر آگیا پھر اس کو دیکھا پھر سوار ہوا پھر اس میں ڈوب گیا اور مرگیا (۲) ایسی رحمت جو بلامحنت ملی ہو اگر چھن جائے تو پریشان ہوتا ہے (۳) جوش وخروش (۴) سورہ ھود: ۱۰

ہوکر کہتا ہے کہ بس اب تو مجھ سے مصیبت ٹل گئی اور یہ شکر کے طور پر نہیں کہتا بلکہ اس طرح کہتا ہے إِنَّهُۥ لَفَرِحٌ فَخُورٌ یعنی خوش ہوکر اتراتا ہے کہ اب تو بلا ٹل گئی، بس اب کیا ہے کام مارلیا(۱)، چنانچہ بعض لوگ مقدمہ دائر ہونے کی حالت میں تو متفکر و پریشان رہتے ہیں حق تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور بزرگوں سے وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں اور جہاں مقدمہ جیت گئے تو اس کو خدا کی نعمت نہیں سمجھتے بلکہ اترا کر کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے گواہ بڑے پکے تھے حاکم بڑا سمجھدار تھا اور ہمارے وکیل نے خوب بحث کی تھی یوں کہا اور یوں جواب دیا تھا اس وقت ان لوگوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جیت کو اپنی سعی وکوشش کا نتیجہ سمجھتے ہیں قبول دعا اور رحمت حق کا نتیجہ نہیں سمجھتے ارے تم کیسا وکیل لیے پھرتے ہو کہیں دوبارہ کیل(۲) نہ لگ جائے، خدا تعالیٰ کو پھر تمہارا ویسا ہی حال کردینا کیا مشکل ہے۔

انسان کا خاصہ

انسان کا خاصہ ہے کہ ماضی کو بہت جلد بھول جاتا ہے اور آئندہ کے لیے بالکل بے فکر ہوجاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

رَّبُّكُمُ ٱلَّذِى يُزْجِى لَكُمُ ٱلْفُلْكَ فِى ٱلْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ ٱلضُّرُّ فِى ٱلْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّىٰكُمْ إِلَى ٱلْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ (۳) آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم کو یہ بے فکری کیوں ہوگئی۔ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ ٱلْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا۟ لَكُمْ وَكِيلًا (۴) کیا تم کو اس سے بھی اطمینان

(۱) میدان مارلیا (۲) دوبارہ کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہوجاؤ (۳) ''تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے (فائدہ کے لیے) کشتیوں کو سمندر میں چلاتا ہے تو اس وقت اللہ کے سوا تمہارے سب معبود (ذہن) سے غائب ہوجاتے ہیں (اور کسی تدبیر پر نظر نہیں رہتی اللہ ہی اللہ یاد رہتا ہے) پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچالے آتے ہیں تو اعراض کرنے لگتے ہیں اور (واقعی) انسان ہے بڑا ناشکرا (کہ اتنی جلدی پہلی حالت کو بھول جاتا ہے)'' سورۃ الاسراء: ۶۶۔۶۷ (۴) سورۃ الاسراء: ۶۸

ہوگیا کہ شاید اللہ تعالیٰ خشکی ہی میں دھنسا دیں سخت ہوا بھیج دیں پھر تم کو کوئی بھی کارساز نہ ملے چنانچہ ابھی زلزلہ اور طوفان خشکی ہی میں آ گیا تھا کانگڑا میں بعض مکان زمین کے اندر دھنس گئے اور بہت آدمی تباہ ہوگئے۔ جاپان میں ایسا سخت زلزلہ آیا تھا کہ لاکھوں آدمی مر گئے اور کروڑوں کا نقصان ہوا، یہ تو خسف ہی کا نمونہ ہے اور سخت ہوا کا بھی نمونہ آچکا ہے۔(۱)

چنانچہ پچھلے دنوں اخبار میں یہ بات آئی کہ ہر دوئی میں ایسی سخت ہوا چلی جس سے بعضے آدمی اُڑ گئے اور کہیں سے کہیں جا کر گرے اور وہ تو خشکی میں بھی طوفان بھیج سکتے ہیں چنانچہ ابھی پہاڑوں سے چشمے اُبل پڑے تھے جن سے سخت طوفان برپا ہوا، ہزاروں گاؤں تباہ اور ہزاروں آدمی برباد ہوگئے اور مویشیوں کا نقصان الگ رہا، آگے بڑے مزہ کی بات فرماتے ہیں کہ کیا تم کو اس سے بھی اطمینان ہوگیا کہ (شاید) حق تعالیٰ پھر دریا ہی میں تم کو بھیج دیں کوئی ایسی ضرورت آپڑے جس سے دوبارہ دریا ہی کا سفر کرنا پڑے جس کو ایک دفعہ چکھ چکے ہو، أَمۡ أَمِنتُمۡ أَن يُعِيدَكُمۡ فِيهِ تَارَةً أُخۡرَىٰ فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفٗا مِّنَ ٱلرِّيحِ فَيُغۡرِقَكُم بِمَا كَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا تَجِدُواْ لَكُمۡ عَلَيۡنَا بِهِۦ تَبِيعٗا ﴿٦٩﴾(۲) یہ تو ظاہری مصائب سے بےفکری کا جواب ہے اور باطنی خطرات سے بےفکری کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو آج کیفیت شوقیہ حاصل نہ تھی پھر حاصل ہوگئی تو وہ بےفکر کس بات پر ہوتا ہے ارے جس خدا نے تم کو پہلے جمود(۳) خمود کے دریا میں ڈبو رکھا تھا وہ پھر اسی دریا میں لوٹا سکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہ دوسری سخت گھاٹیاں تمہارے راستہ میں پیدا کرسکتا ہے۔

باطنی گھاٹیاں

کیونکہ جس طرح ظاہر میں دریا اور پہاڑ ہیں باطن میں بھی دریا اور پہاڑ ہیں، دلدل ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

---

(۱) پاکستان میں بھی زلزلے سے بہت تباہی ہوئی تھی پوری پوری عمارتیں زمین بوس ہوگئی تھیں (۲) سورۃ الاسراء:۶۹ (۳) قوۃ شہویہ میں افراط کا درجہ فجور ہے۔ تفریط کا درجہ جمود ہے اعتدال کا درجہ عفت ہے۔

آسماں ہاست در ولایت جاں کار فرمائے آسماں جہاں(۱)
در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند وصحرا ہاست(۲)
غیب را برے وبادے دیگر است آسمانے آفتابے دیگر است(۳)

مگر وہ دریا پانی کے نہیں ہیں نہ پہاڑ پتھر کے ہیں اور حزب البحر میں جو بحر الدنیا و بحر الآخرۃ کہا ہے وہ تشبیہ پر محمول ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ ایسا ہی بحر ہے(۴) جیسا کہ دنیا کا، غرض باطن میں بھی جبال و بحار(۵) ہیں جن کو صوفیہ کبھی آیت قرآنیہ کے تحت میں بھی اشارۃً بیان کر دیتے ہیں مگر تفسیراً نہیں بلکہ اعتباراً۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جن چیزوں کا خطرہ حق تعالیٰ نے اس جگہ اہل ظاہر کے لیے بیان فرمایا ہے باطن میں بھی تشبیہاً یہ خطرات(۶) موجود ہیں پھر بے فکری کیسی غرض حالات غیر اختیاریہ کے سبب سے پریشانی بھی مذموم(۷) اور ان کے حصول سے بے فکری بھی مذموم(۸) ہے اسی کی حق تعالیٰ نے یہاں شکایت فرمائی ہے کہ انسان ایک حالت میں تو یؤس کَفُوْرٌ(۹) بن جاتا ہے اور ایک حالت میں فَرِحٌ فَخُوْرٌ(۱۰) اور دیکھئے ان دونوں میں مقابلہ کیا اچھا ہے ہر حالت کے متعلق ایک صفت باطنی ہے ایک ظاہری ہے، سلب رحمت کے وقت تو یاس باطن میں ہوتا ہے کفر ظاہر(۱۱) میں اور عطائے نعمت کے وقت فرح باطن میں ہوتا ہے اور فخر ظاہر(۱۲) میں پس دونوں میں عجیب مقابلہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ حالت سب کی نہیں بعضے اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ إِلَّا ٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ (۱۳)

(۱) ''روح کی سلطنت میں بہت سے آسمان ہیں اور آسمان جہاں کا کارفرما، یعنی حق تعالیٰ کا خاص نور بھی ہے'' (۲) ''روح کے راستے میں بہت بلندیاں اور پستیاں ہیں بلند بلند پہاڑ اور صحرا ہیں'' (۳) ''عالم غیب کے لیے ابر و باد دوسرے ہیں اور آسمان وہاں کے دوسرے ہیں'' (۴) سمندر (۵) پہاڑ و سمندر (۶) جیسے ظاہری سمندر میں ڈوب کر ہلاکت کا اندیشہ ہے باطنی سمندر میں بھی ڈوب کر ہلاکت کا اندیشہ ہے (۷) غیر اختیاری حالت پیش آنے سے پریشان ہونا برا ہے (۸) بے فکری بھی بری ہے (۹) مایوس و ناشکری (۱۰) اترانے اور خوش ہونے لگتا ہے (۱۱) رحمت کے چھن جانے پر باطن میں مایوسی ظاہر میں ناشکری ہوتی ہے (۱۲) باطن میں خوشی ظاہر میں خوشی اترانا (۱۳) ''مگر وہ لوگ صابر ہیں اور اعمال صالحہ میں مصروف ہیں'' سورہ ھود: ۱۱۔

صبر کے معنی

یہاں صبر کے معنی وہ نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ کسی کے مرنے پر نہ روئے کیونکہ یہاں کون مرا تھا ہاں کیفیات مرگئی تھیں تو خیر یہ بھی اس کے عموم میں داخل سہی مگر نہ رونے ہی میں صبر کا انحصار نہیں ہے بلکہ صبر سے مراد استقلال ہے یعنی معمولات پر جما رہنا جو شارع اور نائب شارع نے تجویز(۱) کردیئے ہیں ان پر ہر حالت میں پابندی کرنا چاہئے چاہے کوئی کیفیت حاصل ہو یا حاصل نہ ہو، نہ کسی کیفیت کے سلب(۲) سے پریشان ہوکر معمولات میں خلل ڈالو، نہ کسی کیفیت کے حضور سے بےفکر ہوکر معمولات میں کمی کرو یہ معنی ہیں صبر کے آگے صبر کی علامت بیان کرتے ہیں کیونکہ دعویٰ صبر آسان نہیں کہ جس کا جی چاہے اپنے کو صابر کہنے لگے۔

وجائزۃ دعوی المحبۃ فی الھوی ولکن لا یحفی کلام المنافق(۳)

بلکہ اس کے لیے کچھ علامات وشرائط ہیں یعنی وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ کہ اعمال صالحہ بجالاتے رہے اور ظاہراً وباطناً معاصی(۴) سے بچتے رہیں جن میں یاس وناشکری اور بطر وفخر(۵) بھی داخل ہے اور نماز روزہ بھی داخل ہے۔

اہمیت اوراد وطاعات

پس جو شخص اوراد پر اکتفا کرکے طاعات کو بیکار سمجھنے لگے اور یہ دعویٰ کرے کہ اب مجھ کو نماز روزہ کی زیادہ ضرورت نہیں رہی مجھ کو رسوخ نسبت حاصل ہوگیا وہ جھوٹا ہے اس کو رسوخ وغیرہ کچھ حاصل نہیں ورنہ اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ کرتا۔ اسی طرح جو شخص طاعات واجبہ پر اکتفا کرکے اذکار واشغال ومعمولات زائدہ کو ترک کردے کہ ان سے کچھ نفع تو ہوتا ہی نہیں وہ بھی غیر مستقل اور ناقص فی المحبت ہے صبر کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) جو رسول اللہ نے اور ان کے نائب شیخ نے معمولات بتائے ان کو کرتا رہے (۲) ختم ہونے (۳) ''اور محبت کا دعویٰ تو عشق میں جائز ہے مگر منافق کا کلام اور دعویٰ پوشیدہ نہیں ہوتا'' (۴) ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچے (۵) مایوسی ناشکری اکڑنا اور فخر کرنا بھی شامل ہے۔

معمولات مستحبہ اور طاعات واجبہ سب کو دواماً ادا کرتا رہے، بعض دفعہ آدمی اوراد سے گھبراتا ہے اور دوسرے نیک کاموں میں اس کا دل لگتا ہے اس وقت اوراد کو ہرگز ترک کردو گے تو چند روز میں دوسری طاعات کا بھی شوق نہ رہے گا جو پیدا ہوتا ہے۔

اوراد کا فائدہ

میں نے ان اہل علم (۱) کو لکھا تھا کہ تم جو اوراد سے گھبراتے ہو اور لکھتے ہو کہ مجھے مطالعہ کتب میں مزہ آتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ ورد ہی کا اثر ہو کہ آپ کو مطالعہ کتب میں مزہ آتا ہے یہ جواب بطریق منع ہے مگر محض الزامی جواب نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان طاعات میں باہم علاقہ بھی ہے کہ ایک طاعت سے دوسری کو قوت ہوتی ہے گو تم کو اس کی خبر نہ ہو ذاکرین اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دن معمول پورا ہوجاتا ہے اس دن ہر کام میں طبیعت کو بشاشت اور نشاط ہوتا ہے کہ جس دن معمول ناغہ ہوجاتا ہے اس دن کسی کام میں جی نہیں لگتا اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اور کاموں میں جو نشاط ہوتا تھا وہ ورد کی برکت تھی مگر غلطی سے وہ شخص یوں سمجھتا ہے کہ مجھے اور کاموں سے خود دلچسپی ہے جی ہاں ذرا اوراد کو چھوڑ کر دیکھو تو معلوم ہو کہ اور کاموں سے کتنی دلچسپی ہے پس یاد رکھو کہ ان اوراد ہی کی برکت سے نماز میں جی لگتا ہے انہیں کے ذریعے سے تلاوت قرآن مجید میں مزہ آتا ہے، وغیرہ وغیرہ اور اس کا امتحان یہ ہے کہ دو ایسے شخصوں کی حالت کا اندازہ کرکے دیکھو جن میں سے ایک صاحب ورد ہو اور ایک صاحب ورد (۲) نہ ہو تو آپ صاحب ورد کو فرائض وواجبات کے ادا میں چست پائیں گے گو خود ورد میں اس کا دل نہ لگتا ہو اور غیر صاحب ورد کو اس کے برابر چست نہ پائیں گے تو کیا ورد کا یہ تھوڑا نفع ہے کہ اس کی برکت سے فرائض وواجبات میں چستی پیدا ہوجاتی ہے۔

وظائف واوراد

یہ اوراد بیکار نہیں ہیں بڑے کام کی چیزیں ہیں جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحبات

(۱) جن کا ذکر شروع وعظ میں ہوا ہے انہوں نے اوراد کو جنم روگ بتلایا تھا ۱۲ جامع (۲) ایک ذکر و تسبیح کرتا ہو دوسرا ذکر و تسبیح نہ کرتا ہو۔

وسنن کی ترغیب دی ہے بلکہ اگر احادیث کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرائض وواجبات سے زیادہ سنن ومستحبات کی ترغیب وبیان فضائل کا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ واجبات کو تو لوگ خود ہی کرتے ہیں ان کے لیے زیادہ ترغیب کی ضرورت نہ تھی اور سنن ومستحبات کا لوگ زیادہ اہتمام نہیں کرتے اور ہیں ضروری بھی اور مفید اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا (۱۲ جامع) اور اسی واسطے مشائخ نے بھی مستحبات کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ اہل طریق کا ارشاد ہے من لا ورد لہ لا وارد لہ جس شخص کا کوئی ورد نہ ہو اس پر کوئی وارد(۱) بھی نہ ہوگا اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں حقیقت میں صاحب واردات وہی لوگ ہیں جو اوراد کے پابند ہیں اور جو لوگ سوائے فرائض و واجبات کے کچھ نہیں کرتے ان پر واردات نہیں ہوتے (الاقلیل ۱۲)۔

سنن ومستحبات کی اہمیت

پس خوب سمجھ لو کہ جس طرح فرائض وواجبات اصل اور اوراد ان کی فرع ہیں مگر اصل کا نفع ان فرع ہی کے ساتھ کامل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ مسہل لینا چاہیں تو اس کے لیے طبیب آپ کو ایک نسخہ لکھ کر دیتا ہے یہ تو اصل مسہل ہے لیکن اس کے بعد وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ دو چار گھنٹہ کے بعد مدد کے لیے سونف کا عرق بھی نیم گرم پینا یا یخ جلاپا یا کوئی گولی کھالینا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدد بیکار ہے ہرگز نہیں مدد کی بھی بہت ضرورت ہے ورنہ مسہل میں ضرور کسر (۲) رہے گی اسی طرح یہاں سمجھو کہ اوراد ونوافل فرائض کے لیے بمنزلہ مدد کے ہیں اس کا نفع اس کے ساتھ مل کر ہی کامل ہوتا ہے پس ان کی پابندی بھی بہت ضروری ہے اور یہی معنی ہیں صبر کے آدمی اپنے معمولات پر مستقل رہے، جو شخص ہر حالت میں اپنے معمولات پر جما رہے گا اور اعمال شرعیہ کا پابند رہے گا وہ کسی نعمت موہوبہ غیر اختیاریہ کے سلب سے یاس وکفران (۳) میں اور کسی نعمت

(۱) وارد جمیع کیفیات کو کہتے ہیں جیسے حزن وسرور، قبض وبسط، مطلب یہ ہے کہ جو ذکر وتسبیح نہ کرتا ہو اس پر یہ کیفیات بھی طاری نہیں ہوتیں (۲) دستوں سے پیٹ کی صفائی میں کمی رہے گی' (۳) اللہ نے جو نعمت اس کو غیر اختیاری عطاء کی ہوگی اس کے جاتے رہنے سے مایوس اور ناشکری کا شکار نہیں ہوگا۔

موہوبہ کے عطا سے فرح وفخر میں(۱) مبتلا نہ ہوگا کیونکہ اس کی نظر میں اعمال مکتسبہ اختیاریہ مقصود بالذات ہوں گے اور اعمال موہوبہ غیر اختیار مقصود بالذات نہ ہوں گے اور جو احوال موہوبہ کو مقصود بالذات سمجھتا ہے وہ ان کے حصول پر اعمال ومعمولات میں اکثر کمی کر دیتا ہے اور سلب احوال پر یاس وکفران میں مبتلا ہوجاتا ہے، آگے فرماتے ہیں أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (۲) اس میں اول مغفرت کو مقدم فرمایا اس کا مزہ عشاق سے پوچھو غیر عشاق کو اس کی زیادہ قدر نہ ہوگی وہ تو سمجھیں گے کہ بس صبر اور اعمال صالحہ کا صلہ کیا ملا کہ گناہ بخش دیئے گئے نہ جنت کا ذکر ہے نہ حور وقصور کا مگر عشاق کے دل سے اس کی قدر پوچھو کہ وہ اس کو سنتے ہی زندہ ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ تو طلب رضا ہی میں مرتے ہیں اور جنت کی طلب بھی وہ رضا ہی کے لیے کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں:

باتو دزخ جنت است اے دلربا بے تو جنت دوزخ ست اے جانفزا(۳)

بشارت فتح

اسی لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اوّل یہ فرمایا گیا ہے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۴) اہل ظاہر کو ماقبل سے اس کا ربط سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ اوپر فرمایا ہے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۵) اور نمایاں کامیابی دی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں تو اہل ظاہر یہاں چکراتے ہیں کہ بشارت فتح سے مغفرت کا کیا جوڑ ہے مگر عشاق نے اس کا ربط سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو فتح کے مضمون پر اتمام نعمت اور ہدایت واستقامت ونصرت وغلبہ کو متفرع کرنا مقصود تھا مگر چونکہ ان چیزوں کا مزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت آسکتا تھا جبکہ پہلے یہ تسلی کر دی جائے کہ حق تعالیٰ آپ سے راضی بھی ہیں اس لیے اُن بشارات کی لذت کامل کرنے کے لیے پہلے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۶) فرمایا گیا

(۱) غیر اختیاری نعمت کے ملنے پر اترائے گا نہیں (۲) سورہ ھود:۱۱ (۳) ''آپ کے ساتھ دوزخ جنت ہے اور آپ کی جدائی سے جنت بھی دوزخ ہے'' (۴) ''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے'' سورۃ الفتح:۲ (۵) ''ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے'' سورۃ الفتح:۱ (۶) ''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے'' سورۃ الفتح:۲۔

اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ پر مذاق عشق غالب تھا آپ کو سب سے پہلے اس کی فکر رہتی تھی کہ محبوب راضی بھی ہے یا نہیں اس لیے اول اس کا اطمینان دلا کر پھر دوسری بشارتوں کو بیان کیا گیا۔ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (۱) کہ اس فتح سے آپ نعمت کا کام تمام کرنا مقصود ہے اور آپ کو صراط مستقیم پر پہنچانا اور نصرت الٰہی کے ساتھ (مخالفین پر) پورا غلبہ دینا منظور ہے۔ (یہ فتح بطور استدراج وغیرہ کے نہیں اور نہ یہ غلبہ عارضی ہے بلکہ کامل ومکمل ہے جس کے بعد مغلوبیت کا احتمال ہی نہیں۔ وقد كان كما قال فان الاسلام لم يزل فى العروج والظهور بعد ذلك (۲) الفتح ۱۲ جامع) اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ نے عشاق کی رعایت سے مغفرت کی بشارت کو مقدم فرمایا جب ادھر سے اطمینان ہوا اور معلوم ہو گیا کہ محبوب راضی ہیں تو اب عاشق کو بھوک لگی اس سے پہلے کسی چیز کی بھی طلب وخواہش نہ تھی اب جنت وحور وغیرہ کی طلب ہوئی کہ حضرت ہمیں کچھ اور بھی ملے گا کیونکہ کریموں کا قاعدہ ہے کہ جس سے راضی ہوتے ہیں اس کو اپنی رضامندی کی کچھ نشانی بھی دیا کرتے ہیں، جیسے خلعت (۳) وغیرہ تو ارشاد ہوتا ہے وَأَجْرٌ كَبِيرٌ اور ان کے لیے مغفرت کے ساتھ بڑا اجر بھی ہے (یہاں عشاق کے مذاق کی رعایت ہے، اجر کی تفصیل نہیں کی کہ کیا ملے گا یہیں یہ فرمایا کہ بڑا اجر دیں گے اور جس چیز کو محبوب بڑا کہہ دے پھر اس کی بڑائی کی کیا انتہا ہے معلوم ہو گیا کہ وہ انعام ملے گا جو ہمارے وہم وگمان سے بھی باہر ۱۲ جامع) یہ تو مضمون مقصود کا بیان تھا۔

جنت کی نعمتیں

اب میں آیات متلوہ (۴) سے اس مضمون کی لطیف مناسبت بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں حق تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک يُبَشِّرُونَ

(۱) ''اور آپ ﷺ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہے'' سورۃ الفتح ۲۔ ۳ (۲) اس فتح مبین کے بعد اسلام کے عروج اور ظہور میں کمی نہیں آئے گی (۳) لباس فاخرانہ (۴) تلاوت کردہ آیت۔

مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا اور آگے فرمایا ہے: وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا (۱) یعنی ایک جگہ کو فرماتے ہیں کہ جنت میں نیک بندے ایسی شراب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ان کو ایسا جام شراب پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (دوسری کی ۱۲) اس کے متعلق میرے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ یہ اختلاف مزاج باعتبار اختلاف احوال کے ہے اس کی تفصیل کے لیے اول دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ آخرت میں جزا کو عمل سے مناسبت ہوگی، دوسرے یہ کہ نعمائے جنت صورت اعمال (۲) ہیں اور یہ دونوں مقدمے سلف کے اقوال سے مؤید ہیں بلکہ اشارۃً احادیث سے بھی ان کا پتہ چلتا ہے، اول اہل کشف کے اقوال سے تو اس میں بہت صریح ہیں مگر بعض علماء ظاہر نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

چنانچہ هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ (۳) کی تفسیر میں مفسرین نے چند اقوال نقل کئے ہیں ایک یہ کہ نعمائے جنت صورۃ نعمائے دنیا کے مشابہ (۴) ہوں گے، ان کو دیکھ کر جنتی کہیں گے کہ یہ تو وہی چیزیں ہیں جو ہم نے اس سے پہلے دنیا میں کھائی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ ثمرات جنت باہم مشابہ ہوں گے، اس لیے ایک بار کسی چیز کو کھا کر پھر دوبارہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو صورۃ پہلے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہیں گے کہ یہ تو ابھی کھائی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نعمتیں اعمال کی صورت ہوں گی جن کو دیکھتے ہی سمجھ جائیں گے کہ آہا یہ تو وہی نماز ہے جس کی ہم کو دنیا میں توفیق ہوئی تھی اور وہ مناسبت ایسی ظاہر ہوگی جس کو صاحب عمل فوراً سمجھ جائے گا اور گو اس تفسیر کو علماء ظاہر نے زیادہ قبول نہیں کیا مگر اس کی تغلیط بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ان الجنة قيعان وغراسها سبحان اللّٰه والحمدلله ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اكبر (۵) کہ جنت چٹیل میدان ہے اور اس

(۱) سورۃ الانسان: ۱۷ (۲) جنت کی نعمتیں اعمال کی صورت میں (۳) سورۃ البقرہ: ۲۵ (۴) جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مشابہ ہوں گی (۵) لم اجد الحدیث فی ''موسوعۃ أطراف الحدیث النبوی الشریف''

کے درخت تسبیح وتحمید وغیرہ ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کے درخت ان کلمات کی صورت ہیں اسی طرح بعض نصوص قرآنیہ میں ہے ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۱) کہ چکھو ان چیزوں کو جو تم کرتے تھے اگر اس میں تاویل نہ کی جائے تو ظاہر نص ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو جزاء کو صورت اعمال کہتے ہیں باقی یہ مقدمات اقناعیہ ہیں میں ان کی بناء پر دعویٰ نہیں کرتا اور نہ آیات کی تفسیر کرتا ہوں بلکہ ایک لطیف استشہاد علم اعتبار (۲) کے طور پر کرنا چاہتا ہوں بہرحال حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو شراب ملے گی اس میں کافور کی آمیزش ہوگی جیسا کہ دنیا میں بعض لوگ شراب میں سرور وکیف بڑھانے کے لیے کوئی مفرح (۳) چیز ملالیا کرتے ہیں جیسا کہ صاحب معلقہ کہتا ہے

الا هبی بصحنك فاصبحینا ولا تبقی خمور الا ندرینا
مشعشة كان الحص فیها اذا الماء خالطها سخینا(۴)

تفسیر آیت

آیت میں مزاجھا کے معنی آمیزش کے ہیں مزاج طبی مراد نہیں، اللہ بچائے واعظین سے نہ معلوم وہ اس جگہ مزاج کے معنی کیا گڑبڑ کرتے ہوں گے آگے کافور کی تفسیر ہے عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ (۵) اس میں عینا کافور سے بدل ہے یعنی وہ کافور ایک چشمہ کا نام ہے دنیا کی طرح کافور کی پڑیہ نہ ہوگی، یہاں تو کافور منجمد (۶) ہوتا ہے اور وہاں سیال (۷) ہوگا اور زنجبیل (۸) کا بھی وہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے وہ بھی کوئی منجمد چیز نہیں ہے بلکہ سیال ہے اور قلیل مقدار میں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک چشمہ ہوگا جیسے جنت میں دودھ کی نہریں ہوں گی۔

(۱) سورۃ الزمر: ۲۴ (۲) ایک شیئ کی حالت کو دوسری شیئ کی حالت پر محض تمثیل وقیاس کرنا۔ حضرت نے بھی بطور علم اعتبار اس سے دلیل پکڑی (۳) ایسی چیز جس سے دل کو فرحت ہو (۴) ''(اے محبوب) بیدار ہو اور مقام اندرین کی شراب بہت بڑے بڑے پیالے میں ہمیں پلاؤ اور غیر کے لیے اس میں بچا کے مت چھوڑو، (اے محبوبہ) بڑے پیالے سے ایسی شراب پلا جس میں گرم پانی ملا دیا گیا ہو جس کی وجہ سے اسکا زعفرانی نظر آئے'' (۵) سورۃ الانسان: ۶ (۶) جما ہوا (۷) بہتا ہوا (۸) سونٹھ۔

ایک آریہ کا بیہودہ اعتراض

اس پر دیانند نے ایک بیہودہ اعتراض کیا تھا کہ وہاں اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی جن کے دودھ سے نہریں چل پڑیں گی، سبحان اللہ یہ عقل ہے دوسرے ادیان کے مقتداؤں کی گویا ان کے نزدیک بدون تھن (۱) کے دُودھ ہو ہی نہیں سکتا، میں کہتا ہوں کہ تھن میں دودھ کہاں سے آتا ہے کیا اس کے واسطے بھی کوئی دوسرا تھن ہوتا ہے اگر یہ ہے تو پھر تسلسل مستحیل لازم (۲) آئے گا، پر یہ مشاہدہ کے بھی تو خلاف ہے، بھلا تھن کے لیے دوسرا تھن کہاں ہوتا ہے، لہٰذا ضرور کہنا پڑے گا کہ تھن میں بدون کسی تھن کے دودھ آ گیا معلوم ہوا کہ دودھ کا پیدا ہونا تھن پر موقوف نہیں تو جس خدا نے یہاں خون اور گوبر (۳) میں سے ایسا لطیف دودھ نکال دیا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ نہر میں دودھ پیدا کر دے۔ لہٰذا یہ اعتراض محض بے عقلی کا ہے۔

تو مشو منکر کہ حق بس قادرست (۴)

افسوس کہ دوسرے ادیان والوں کو خدا تعالیٰ کی قدرت کا بھی علم نہیں جبھی تو ان کے مقتدا ایسی بے سروپا باتیں کہتے ہیں، غرض کافور ایک چشمہ کا نام ہے، جس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو دنیا میں ہم دیکھتے ہیں بلکہ وہ نہایت عجیب وغریب شئے ہے، لیکن دنیا کی تمام چیزوں میں سے اس کو کافور سے زیادہ مشابہت ہے، ایسے ہی زنجبیل کی بھی حقیقت وہ نہیں جو ہم لوگ سمجھتے ہیں لیکن اس کو بھی تمام اشیاء میں زنجبیل دنیا سے زیادہ مناسبت ہے اس کا ضرور قائل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ قرب اوصاف ہی سبب ہوا ہے اسے کافوریا زنجبیل کہنے کا، ورنہ کچھ اور کہا جاتا ہے فی الجملہ مناسبت ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے خواص اور مزہ وغیرہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا کے کافور وزنجبیل کا ہوتا ہے بلکہ

(۱) بغیر تھن (۲) پھر تو تسلسل لازم آئے گا ایک تھن کے لیے دوسرا تھن اور دوسرے کے لیے تیسرا تھن اور یہ محال ہے (۳) جانور کے پیٹ میں سے جہاں سے دودھ آتا ہے اس کے ایک جانب خون دوسری جانب پاخانہ ہے بیچ میں سے نفیس دودھ نکل رہا ہے جو خدا تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے (۴) ''تو منکر مت ہو کہ حق تعالیٰ بہت صاحب قدرت ہیں''۔

خواص اور مزہ اس کا علیحدہ ہے جو نہایت لذیذ خوشگوار ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ کہ اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے، یہاں عباداللہ سے یا تو ابرار ہی مراد ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اضافت تخصیص کے لیے ہے یعنی اصل میں تو وہ خاص مقربین کے لیے ہوگا مگر ابرار کو بھی ان کے طفیل میں مل جائے گا۔

جنت ودوزخ

آگے فرماتے ہیں يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا یہ عجیب تماشا ہے یعنی وہ چشمہ اپنی طبیعت سے نہ بہے گا بلکہ نیک بندوں کا تابع ہوگا ان کے اشارہ پر چلے گا، جہاں چاہیں لے جائیں گے اگر کہیں اونچے پر بیٹھے ہوں گے اور چشمہ کو وہاں بلائیں گے تو فوراً اوپر پہنچ جائے گا کیونکہ جنت اور جنت کی ہر چیز ذی حیاۃ ہے(۱)، اہل کشف نے وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان (۲) کی یہی تفسیر کی ہے جس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ترغیب وترہیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما خلق اللّٰہ جنۃ عدن خلق فیھا لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر قال لھا تکلمی فقالت قد افلح المومنون(۳) رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط باسناد بن احمدھما جید، نیز اہل کشف نے فرمایا ہے کہ جہنم بھی ذی حیات ہے وہ کوئی بے جان مکان نہیں ہے بلکہ جاندار اژدھے (۴) کی شکل میں ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں آسمان وزمین سب آسکتے ہیں جیسے سمندر میں بعض مچھلیاں جہازوں سے بھی بڑی ہیں اور اس قول کی تائید ان احوال سے ہوتی ہے جو جہنم کے متعلق احادیث میں وارد ہیں، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے میدان میں جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے ستر ہزار باگیں ہوں گی

(۱) ہر چیز کے اندر زندگی کے آثار ہوں گے (۲) ''اور اصل زندگی عالم آخرت ہے'' سورۃ الانسان: ۶ (۳) ''جب اللہ تعالیٰ بہشت عدم کو پیدا فرمایا تو اس میں وہ کچھ پیدا فرمایا کہ جیسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گزر ہوا'' المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/ ۱۸۴، مجمع الزوائد: ۱۰/ ۳۹۷، کنز العمال: ۱۷۴ (۴) جاندار بڑے اژدھے کی شکل میں۔

اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے مگر اس پر بھی وہ قابو سے باہر ہوگی اور چیختی چلاتی آئے گی، سو بھلا بے جان چیز کے لیے بھی کہیں باگیں ہوتی ہیں اور وہ بھی کہیں چیخا چلایا کرتی ہے، اسی طرح حدیث میں جہنم اور جنت کا کلام کرنا بھی وارد ہے اہل کشف کی اس تحقیق کے بعد ان احادیث میں تاویل کی کچھ حاجت نہیں رہتی نیز قرآن مجید میں نار کو هَلِ امْتَلَئْتِ(۱) کا خطاب اور اس کا هل من مزید(۲) سے جواب مذکور ہے، نیز احادیث میں ہے کہ جو شخص جنت طلب کرتا ہے جنت اس کو طلب کرتی ہے اور جو شخص جہنم سے پناہ مانگتا ہے جہنم اس سے پناہ مانگتی ہے۔

ہر چیز ذی حیات ہے

اور صاحبو جن چیزوں کو ہم یہاں بے جان سمجھتے ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذی حیات ہیں گو ہمارے سامنے جماد ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ اور ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی کا ذریعہ بن جا، اہل لطائف نے لکھا ہے کہ اگر سلاماً نہ فرمایا جاتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہوجاتی کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی برودت(۳) سے تکلیف پہنچتی اب سلاماً کی قید کے بعد اتنی ہی ٹھنڈی ہوئی جو ناگوار نہ ہو، سو اس میں حق تعالیٰ کا آگ کو خطاب کرنا مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب ذی حیات کو ہوا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ اند(۴)

اسی طرح آسمان وزمین وجبال وغیرہ سے حق تعالیٰ کا خطاب فرمانا نص میں مذکور ہے نیز ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہوئے ہیں جن سے عناصر کا ذی حیات ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اصحاب الاخدود کا قصہ

مفسرین نے اصحاب الاخدود(۵) کے قصہ میں لکھا ہے کہ ایک یہودی بادشاہ

(۱) دوزخ کی آگ سے اللہ پوچھیں گے کیا تو بھر گئی (۲) وہ جواب دے گی اور ہو تو دیدو (۳) ٹھنڈک سے (۴) ''پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب بندے ہیں تمہارے اور میرے نزدیک مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں'' (۵) خندق والوں کے قصے ہیں۔

نے مسلمانوں کو مرتد ہونے پر مجبور کیا جب لوگوں نے اس سے انکار کیا تو ظالم نے بہت سی خندقیں کھودیں اور ان میں آگ جلائی اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ یا تو آگ کو سجدہ کرو ورنہ تم کو اسی میں ڈال دیا جائے گا، چنانچہ بہتوں نے انکار کیا اور ان کو آگ میں ڈال دیا گیا منجملہ ان کے ایک عورت بھی تھی جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا، اس کو بھی کفر پر مجبور کیا گیا جب اس نے انکار کیا تو بچہ کو گود میں سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا، اللہ اللہ کیسے پکے مسلمان تھے کہ ایسے سخت امتحانات میں بھی ثابت قدم رہے، پھر مرد بھی نہیں بلکہ عورتیں بھی بڑی پختہ تھیں ایک آج کل کے مسلمان ہیں جو ذرا سی تنگی اور افلاس سے پریشان ہوکر مرتد ہونے پر آمادہ ہوجاتے ہیں بس یوں کہئے کہ ان کے دل میں اول ہی سے ایمان نہیں تھا ورنہ ایمان جب دل میں پیوستہ ہوجاتا ہے پھر نہیں نکل سکتا، غرض جب بچہ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ماں کو ذرا گھبراہٹ ہوئی اور اس کے قدم ڈگمگانے لگے اس وقت حق تعالیٰ نے اس کی امداد فرمائی کہ بچے کو بولنے کی طاقت دے دی اور اس نے اندر سے ماں کو پکارا۔

اندر آمادر کہ من اینجا خوشم گرچہ در صورت میان آتشم
اندر آ اسرار ابراہیم بیں کور آتش یافت وردو یاسمیں(۱)

کہ اے ماں تو بھی اندر آجا اور ذرا اندر آکر دیکھ یہاں تو عجیب وغریب اور پھول پھلواریاں ہیں یہ سن کر عورت بھی از خود آگ میں کود پڑی اب کیا تھا یا تو مسلمان آگ سے ڈر رہے تھے یا پروانہ وار سب کے سب دمادم کودنے لگے اب یہ حال ہوا کہ سپاہی ان کو روکتے تھے، اور وہ زور کرکے خود آگ میں گرتے تھے، یہ حالت دیکھ کر بہت سے کافر بھی مسلمان ہوگئے اور کلمہ پڑھ کر آگ میں گرنے لگے، اس پر وہ یہودی جھلا اٹھا اور آگ سے کہنے لگا اے آگ تجھے کیا ہوا تو جلاتی کیوں نہیں کیا تو آگ نہیں رہی کچھ اور بن گئی اس وقت آگ نے جواب دیا۔

گفت آتش من ہمانم آشتم اندر آ تو تابہ بینی تا بیشم(۲)

(۱) ''اندر آجا اے میرے ماں کہ میں یہاں بہت خوش ہوں، اگرچہ بظاہر آگ میں ہوں اندر آجا اے میری ماں اور اسرار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ کرلے کہ انہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی'' (۲) ''اس آگ نے کہا کہ میں تو وہی آگ ہوں تو آکے دیکھ کہ میں کس قدر گرم ہوں''

کہا میں تو وہی آگ ہوں ذرا تو اندر آ پھر میری تپش کو دیکھ باقی ان کے واسطے میں آگ نہیں رہی کیونکہ ان کو جلانے کا مجھے حکم نہیں ہے، اس کے بعد آگ پھیلی اور جتنے کفار خندقوں کے کنارہ بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ سمیت سب جل بھن کر خاک ہو گئے۔

جمادات اللہ کے سامنے ذی حیات ہیں

پس جمادات (۱) دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے سامنے ذی حیاۃ (۲) ہی ہیں گو ہم کو جماد نظر آتے ہیں اور آخرت میں ہم کو بھی ہر چیز ذی حیاۃ معلوم ہوگی اسی لیے جنت کے چشمے اور نہریں مسلمانوں کے اشاروں پر چلیں گے جب یہ معلوم ہو گیا کہ نعمائے جنت صورت اعمال ہیں اور جزا کو عمل سے مناسبت ہوگی تو اب سمجھئے کہ وہاں جو مسلمانوں کو شراب ملے گی وہ کس چیز کے مناسب اور مشابہ ہے یعنی وہ کون سا عمل ہے جس کی صورت عالم آخرت میں شراب ہے تو اہل لطائف نے لکھا ہے کہ یہ محبت کی صورت ہے محبت میں بھی ایک تیزی اور سرور کیفیت و مستی ہوتی ہے شراب میں بھی یہی صفات ہیں تو وہ اس کی صورت ہے مگر اس شراب کو دنیا کی شراب پر قیاس نہ کرنا یہاں کی شراب تو ذی شرور ہے (۳) جس سے بیہودہ افعال واقوال صادر ہوتے ہیں اور ہوش وحواس باختہ ہوجاتے ہیں اور وہاں کی شراب طھور (۴) ہے کہ خود بھی پاکیزہ اور پینے والوں کو بھی پاکیزہ بنانے والی ہے، نہ اس سے دردسر اور چکر ہوگا نہ عقل زائل ہوگی لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ (۵)

مگر اس سے یہ مت سمجھنا کہ وہ شراب سراب محض ہوگی جیسے پانی پی لی ہرگز نہیں بلکہ اس سے سرور ونشاط اس درجہ حاصل ہوگا جو یہاں کی شراب سے نہیں ہوسکتا منافع خمر سب اس میں علیٰ وجہ الکمال (۶) ہوں گے مگر مضار ونقصانات بالکل نہ ہوں گے تو وہاں شین کے ساتھ ساتھ سین بھی ہوگا یہ نہیں کہ شین (شراب) کے بجائے سین (سرور) ہو یہ دنیا ہی کی ترکیب ہے جس میں شیں اور سین آگے پیچھے ہیں یکجا نہیں، وہاں دونوں ساتھ ساتھ ہوں

(۱) پتھر وغیرہ بے جان چیزیں (۲) زندہ ہی ہیں (۳) یہاں کی شراب میں فتنے ہیں (۴) پاکیزہ (۵) ''نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا'' سورۃ الواقعۃ:۹ (۶) شراب کے تمام فوائد اس میں بدرجہ کمال موجود ہوں گے۔

گے یہاں کی شراب تو یصد من سبیل اللّٰہ ہے(۱) اور وہاں کی شراب یصد عن غیر اللّٰہ(۲)۔

شراب آخرت

بہر حال اہل لطائف نے اس پر تو تنبیہ کی ہے کہ شراب آخرت صورت محبت ہے لیکن اس پر کسی نے تنبیہ نہیں کی کہ اس کے لیے مزاج ایک جگہ کافور بتلایا گیا ہے اور ایک جگہ زنجبیل تو یہ مزاج کس چیز کی صورت ہے اور اس کو کس سے مناسبت ہے اس کے متعلق میرے قلب پر یہ لطیفہ وارد ہوا ہے کہ یہ محبت کی انہیں دونوں نسبتوں کا لون ہے کافور کو نسبت انس سے مشابہت ہے اور شراب کافور آمیز اس لون محبت کی صورت ہے کیونکہ کافور باردالمزاج(۳) ہے اور زنجبیل کو نسبت شوق سے مشابہت ہے اور شراب وزنجبیل آمیز اس لون محبت کی صورت ہے کیونکہ زنجبیل حارالمزاج(۴) ہے اور شوق میں حرارت والتہاب(۵) ہوتا ہے لہٰذا یہ اس کے مناسب ہے جیسا کہ نسبت انس میں برودوخمود وسکون ہوتا ہے اور کافور اس کے مناسب ہے پس نقشبندیہ کو وہاں شراب کافور ملے گی اور چشتیہ کو شراب زنجبیل (یعنی اُن کو زیادہ وہ اور اِن کو زیادہ یہ ملے گی کیونکہ حرارت وسکون سے دونوں خالی نہیں ہاں ایک پر ایک کا غلبہ ہے سو اس کا مقتضاء یہی ہے کہ دونوں کو دونوں شرابیں دی جائیں گی مگر کثرت وقلت کا فرق ہوگا ۱۲ جامع) اور دیکھئے جیسے یہاں نسبت سکون اور نسبت عشق کے آثار مختلف ہوتے ہیں اسی طرح وہاں بھی دونوں کے ساتھ مختلف معاملہ ہوگا چونکہ نسبت سکون میں غلبہ سحو کو ہوتا ہے اور اس میں اختیار وارادہ فنا نہیں ہوتا تو ان کے واسطے فرمایا گیا ہے ''یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَأْسٍ'' کہ وہ خود جام شراب پئیں گے اور نسبت عشق میں اختیار وارادہ باقی نہیں رہتا تو ان کے متعلق ارشاد ہے: وَیُسْقَوْنَ فِیهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیلًا کہ یہ وہاں بھی خود نہیں پئیں گے

(۱) اللہ کی راہ سے روکنے والی (۲) غیر اللہ کی راہ سے روکنے والی (۳) کافور ٹھنڈا ہوتا ہے (۴) گرم مزاج (۵) گرمی اور جوش وخروش ہوتا ہے۔

بلکہ دوسرے ہی لاکر ان کو پلائیں گے کہ وہاں بھی مستی ہی میں رہیں گے، یشربون اور یسقون میں جو فرق ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں ہے۔

سالکین کی تسلی

میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اس کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اعتبار کے طور پر اہل لطافت کے مناسب یہ لطیفہ بیان کر دیا ہے کہ کافور وزنجبیل کو ان دونوں نسبتوں کے رنگ سے مناسبت ہے اور جیسے کافور وزنجبیل جنت میں شراب کے ساتھ ملائے جائیں گے جس سے شراب کا اصل اور ان کا فرع ہونا ظاہر ہو رہا ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ نسبت انس اور نسبت عشق کے آثار میں جو اختلاف ہے کہ ایک میں غلبہ حرارت ہے اور ایک میں بردیہ مقصود نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود محبت ہے جو دونوں میں مشترک ہے پس صاحب سکون کو عدم التہاب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھنا چاہئے بلکہ یوں سمجھے کہ شراب محبت مجھے بھی حاصل ہے مگر اس میں کافور ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے حرارت کا غلبہ نہیں ہوتا پر اس کا حرج ہی کیا ہے تم بھی اللہ تعالیٰ کے مقربین میں داخل ہو اور اس جماعت میں سے ہو جن کو جنت میں کافور آمیز شراب دی جائے گی، پس ہر حال میں راضی رہو اور اپنی تجویز کو دخل نہ دو حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں کافور ملا کر پلاتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں زنجبیل ملا کر پلاتے ہیں واصل دونوں ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عاشقے گرزین سرو گرزاں سرست عاقبت ما را بداں شہ رہبر است(۱)

میں نے پہلے اس کا بیان کا نام ''الکافور والزنجبیل'' تجویز کیا تھا اسی وجہ سے کہ اس میں نسبت مع اللہ کے دو الوان (۲) کا ذکر ہوا ہے جن کو ان دونوں سے مناسبت ہے مگر بعد میں پھر دوسرا نام تجویز کیا جو ذرا عام لوگوں سے غیر مانوس ہے یعنی (المعرق والرحیق للمغرق والحریق) اس میں معرق کو تو مغرق سے مناسبت ہے اور رحیق کو حریق

(۱) ''عاشقی خواہ سکون قلب سے ہو یا اضطراب قلب سے دونوں ہی حق تعالیٰ کے واصل ہیں کسی پر شوق وعشق کا غلبہ ہے کسی پر انس اور سکون کا'' (۲) دو رنگوں کا۔

سے، معرق کہتے ہیں اس شراب کو جس میں پانی ملایا گیا ہو اور مغرق کہتے ہیں غریق کو قاموس سے معلوم ہوا کہ مغرق اور غریق دونوں واحد ہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دریائے سکون وخمود میں ڈوبا ہوا ہے یعنی صاحب نسبتِ انس اس کے لیے تو شراب آب آمیز ہے(۱) اور جو جلا بھنا رہتا ہے یعنی صاحب نسبت عشقیہ(۲) اس کے لیے رحیق ہے یعنی خالص کیونکہ لغت میں رحیق کے یہی معنی ہیں گو اس نام میں کافور وزنجبیل کی آمیزش پر اشارہ نہ ہوسکا مگر فرق پھر بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ جس شراب میں پانی ملا ہوا ہو وہ خالص شراب سے تیزی میں کم ہوتی ہے پس اس نام سے یہ معلوم ہوگیا کہ غریق وحریق دونوں شراب خوردہ ہیں مگر ایک نے تیز شراب پی ہے ایک نے پانی ملی ہوئی، محروم کوئی نہیں میں نے اول یہ چاہا تھا کہ اس کا نام العریق والرحیق للغریق والحریق رکھوں کہ یہ بولنے میں ذرا سہل تھا مگر لغت میں مجھ کو غریق کے معنی شراب آب آمیز نہیں ملے اور دوسرے جو معنی ملے وہ اس جگہ مناسب نہ تھے کہ اگر کسی کو لفظ عریق بمعنی معرق ہونا ثابت ہوجائے تو پھر یہ نام بہت اچھا ہے۔ میری نظر کتب لغت پر زیادہ نہیں ہے پس میرے پاس تو قاموس(۳) ہی ہے اسی میں سب ننگ وناموس ہے(۴) اس میں مجھ کو یہ بات نہیں ملی ممکن ہے کہ کسی اور کتاب میں اس لفظ کا بمعنی معرق استعمال ہونا دستیاب ہوجائے، بہرحال اس وقت تو یہی نام میں نے تجویز کیا ہے۔ المعرق والرحیق للمغرق والحریق(۵) اور زیادہ تر اس نام کی رعایت سے میں نے سورۂ دہر کی آیات پڑھی ہیں تاکہ میرا یہ لطیفہ قائم رہے۔ ورنہ اصل مقصود تو دوسری آیت میں مصرح(۶) تھا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو اپنی محبت عطا فرمائیں خواہ اِس رنگ کی ہو یا اُس رنگ کی۔ (آمین)(۷)

خلیل احمد تھانوی

۲۶ شوال ۱۴۴۳ھ/ ۲۸ مئی ۲۰۲۲ء

---

(۱) صاحب نسبت کے لیے پانی۔۔۔ شراب ہے (۲) جس میں عشق الٰہی غالب سے اس کے لیے شرا خالص ہے (۳) لغت کی کتاب کا نام (۴) اس میں ہر عیب ونیک نامی ہے (۵) دریائے سکون میں ڈوبے ہوئے کے لیے پانی ملی شراب ہے اور صاحب نسبت عشقیہ کے لیے شراب خالص ہے (۶) زیادہ واضح تھا (۷) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو راہ سلوک طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جنت کی ان نعمتوں سے بہرہور فرمائے۔ آمین۔

أخبار الجامعة

❁ مؤرخہ 11 اگست حضرت مہتمم صاحب نے لیڈز یونیورسٹی لاہور کا دورہ فرمایا جس کا مقصد ایف اے، ایف ایس سی یا ثانویہ خاصہ کی ڈگری کے حامل دینی مدارس کے طلبا کو ہفتہ میں تین دن (4 سالہ بی ایس علوم اسلامیہ) کے لیے داخلہ لے کر جدید وقدیم علوم میں مزید مہارت حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا۔

❁ مؤرخہ 13 اگست بسلسلہ یوم آزادی جامعہ کی مانگامنڈی (معراج النساء سکول اور مدرسہ المعزّ) میں طلباء نے پُروقار تقریبات میں تلاوتِ قرآن کریم ونعتِ رسول مقبول ﷺ کے بعد اپنی تقاریر، ملّی نغمات اور قومی ترانہ پیش کرتے ہوئے یوم تشکّر منایا آخر میں جامعہ ہٰذا کے اساتذہ کرام اور وناظم امتحانات جامعہ ہٰذا مولانا ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی صاحب نے وطنِ عزیز کی آزادی اور ہماری ذمہ داری کے حوالہ سے راہنمائی ودعائیہ کلمات کے ساتھ تقریبات کا اختتام فرمایا۔

❁ مؤرخہ 14 اگست دارالفلاح مصطفیٰ ٹاؤن میں تقریب منعقد ہوئی پروگرام میں طلباء واساتذہ کرام نے تلاوت وحمد ونعت وبیانات وملّی نغمات وقومی ترانہ پیش کرتے ہوئے جذبۂ حُبّ الوطنی کا اظہار کیا تقریب کے آخر میں مہتمم جامعہ ہٰذا حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی نے تحریک آزادی کا پس منظر تفصیل سے ارشاد فرمایا۔

❁ مؤرخہ 14 اگست دن 10 بجے تا 1 بجے مرکزی درسگاہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک میں تقریب منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے شعبہ قراءات ودرس نظامی واسکول کے تمام طلباء واساتذہ کرام نے شرکت کی۔

تلاوت قرآن کریم وحمد ونعت وملّی نغمات کے بعد طلباء نے اُردو زبان کے علاوہ عربی وانگریزی زبان میں بھی بیانات سے سامعین کے دلوں پر رِقّت طاری کی پروگرام کے آخری مرکزی بیانات میں اساتذہ کرام کی طرف سے مولانا ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی (ناظم امتحانات) نے کلماتِ تشکّر پیش فرماتے ہوئے توجہ دلائی کہ 14 اگست کا دن یوم دُعا ویوم شکر ویوم تجدید عہد وفا ہے ہر فرد کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور ہم اس عظیم نعمت کی قدر وشکر بجالائیں اور ملک وملّت کا تحفظ بہر صورت یقینی بنائیں مولانا مفتی مبشر احمد استاذ الحدیث جامعہ ہٰذا نے فرمایا ہمارے جامعہ کا اعزاز ہے کہ بانی

جامعہ ہٰذا شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا شمار بانیان پاکستان میں ہے مغربی پاکستان کراچی میں آزادی کا پرچم آپؒ نے لہرایا۔

مولانا ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی شیخ الحدیث ونائب مہتمم جامعہ ہٰذا نے فرمایا کہ آزادی کا مطلب صرف جشن منا کر غافل ہونا نہیں بلکہ نوجوانان ونونہالانِ وطن اپنی اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے ملک وملّت کی خدمت کریں کلمۂ طیّبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نظام کے مطابق عملی زندگی گزاریں۔

پروگرام کا آخری خصوصی خطاب مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مہتمم جامعہ ہٰذا نے ارشاد فرمایا اور تحریکِ آزادی میں علماء کرام کی شاندار خدمات پر خراجِ تحسین پیش فرمایا اور اِس کٹھن سفر میں درپیش قربانیوں اور سابقہ تحریکاتِ آزادی کے نشیب وفراز پر بھی روشنی ڈالی خاص طور پر تھانہ بھون کے مسلمانوں اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمات کا ذکر فرمایا کہ سب سے پہلے آپ نے ہی الگ خطّہ کے حصول کی طرف توجہ دلائی بلکہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ پاکستان ضرور معرض وجود میں آئیگا اور اپنے خطوط میں قائداعظمؒ سے مسلسل رابطہ میں رہے چنانچہ آپ کی کاوشوں کا ثمرہ بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی آزادی کی صورت میں اقوام عالم نے دیکھ لیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ملک پاکستان کو اسلام کا عظیم قلعہ وگہوارہ بنائے آمین۔

❁ 6 ستمبر حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی نے پنجاب قرآن بورڈ کے اجلاس میں قرآن کریم کی طباعت کے حوالے سے اہم مشاورت میں شرکت کی۔

❁ 6 ستمبر اکابرینِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے وفاق المدارس کے تحت 16 سال سے کم عمر حفاظِ کرام کے مابین کل پاکستان مسابقہ حفظ کے انعقاد کے لیے حضرت مہتمم صاحب کو کنوینر منتخب فرمایا جس کا پہلا صوبائی اجلاس (پنجاب) مدرسہ بیت النور پی آئی اے سوسائٹی منعقد ہوا۔

❁ 11 ستمبر دوسرا مرکزی اجلاس ملتان میں منعقد ہوا۔

❁ 13 ستمبر تیسرا صوبائی اجلاس خیبر پختونخواہ بابوزئی مردان میں منعقد ہوا۔

❁ 26 ستمبر چوتھا اجلاس صوبائی سطح پر صوبہ بلوچستان کوئٹہ میں منعقد ہوا۔

ان اجلاسوں میں متفقہ طور پر طے ہونے والے امور برائے مسابقہ حفظ القرآن الکریم سے وفاق المدارس سے ملحق تمام دینی مدارس کو آگاہ کر دیا گیا۔